کتاب کا نام : تحریک پاکستان کا ایک گمنام سپاہی

تحقیق و تالیف : ڈاکٹر سید ساجد حسین (M.D.)

مرتب : اشرف فتح پوری

نظرِ ثانی : سید ساجد عزیز

اشاعتِ اوّل : اکتوبر 2017ء

کمپوزنگ : ڈگنٹی کمپیوٹرز (معیز الحق صدیقی)

ڈیزائننگ : محمد رضوان راٹھور

ٹائٹل : آمنہ ساجد

تعداد : 1000 (ایک ہزار)

ناشر : Ambience Communications

C-22، بلاک 6، گلشنِ اقبال، کراچی۔

رابطہ نمبر : 0300-2149976

رابطہ امریکہ : ڈاکٹر سید ساجد حسین

5203 Sweet Meadow Lane

Clarksville, MD 21029

+1-716-430-7027

قیمت : 300/= روپے

(جملہ حقوق بحق ڈاکٹر سید ساجد حسین محفوظ)

انتساب:

تحریک پاکستان کے گمنام سپاہیوں کے نام جنہوں نے پاکستان کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

اہلیانِ شاہ پور و فتح پور کے نام جن کی فلاح و بہبود کیلئے حاجی سید سجاد حسین کی زندگی وقف تھی۔

عرض ناشر:

کچھ عرصے قبل ایک میڈیا کانفرنس کے سلسلے میں امریکہ جانا ہوا۔ نیو یارک سے وائس آف امریکہ کے چند دوستوں نے واشنگٹن ڈی سی بھی مدعو کیا۔ وہیں ہماری ملاقات محترم ڈاکٹر ساجد حسین سے بھی ہوئی، ڈاکٹر ساجد ہمارے قریبی عزیزوں میں سے ہیں اور ہم نے اپنا بچپن فیصل آباد میں گزارا وہیں کچھ عرصہ حاجی سجاد حسین (مرحوم) اور ڈاکٹر ساجد و دیگر اہلِ خانہ کا قرب بھی حاصل رہا، حاجی سجاد حسین مرحوم ہمارے بھی بزرگوں میں سے ہیں۔ مرحوم کی سیاسی و سماجی خدمات سے سبھی واقف ہیں، اُنہوں نے پہلے تحریک پاکستان کے لئے اور پھر انڈیا سے پاکستان ہجرت کرنے میں اپنی بیش قیمت جائیداد و مال و دولت قربان کردی۔ تحریک پاکستان کے حاجی سجاد حسین جیسے سپاہی کے بارے میں نئی نسل کو آگاہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ ویسے بھی جبکہ ہماری نئی نسل دو حصوں میں تقسیم ہو رہی ہو، یعنی کچھ دیس میں ہو اور کچھ بدیس میں، انہیں اپنے آباواجداد کی خدمات اور قربانیوں سے باور کرانا وقت کی اہم ضرورت ہے ڈاکٹر ساجد حسین نے مجھ سے دورانِ ملاقات اِس مسودہ کا ذکر کیا جو مرحوم سجاد حسین صاحب کی سوانح حیات پر مرتب کیا گیا تھا ۔ اُنہوں نے اِسے پاکستان سے طبع کرانے کی خواہش کا اظہار کیا جس پر راقم الحروف نے یہ ذمہ داری بخوشی قبول کی اور کراچی پہنچ کر فوری طور پر اِس کی تیاری شروع کردی۔ حاجی سید سجاد حسین صاحب کی سوانح حیات کی اشاعت ایک بے حد اہم فیصلہ ہے اور انتہائی ناگزیر بھی کہ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کو اپنے بزرگوں کی روایات، اُنکی قربانیاں، معاشرے کے لئے دی گئی

خدمات اور اپنی سماجی، ثقافتی اور مذہبی تاریخ سے جڑے رہنے کیلئے بھی اِس کتاب کی اشاعت بے حد ضروری ہے۔ میرے خیال میں زیرِ نظر کتاب ''تحریک پاکستان کا ایک گمنام سپاہی'' اس سلسلے میں ڈاکٹر ساجد حسین کی ایک اہم کاوش ہے اور اِس پر اُن کی جتنی بھی تعریف وستائش کی جائے کم ہے۔ یہ پہلا ایڈیشن ہے اس کے لئے جتنی بھی تصاویر و معلومات مل سکیں وہ شامل کی گئی ہیں۔ اگر کسی صاحب کے پاس کچھ مزید معلومات اور تصاویر ہوں تو وہ برائے کرم ہمیں ارسال فرمائیں تا کہ دوسرے ایڈیشن میں شامل کی جاسکیں۔

سید ساجد عزیز

فہرست مضامین:

نمبر	مضمون	صفحہ
1	پیدائش نام اور وطن	1
2	رسم بسمہ اللہ	2
3	داغ یتیمی	2
4	پہلا سفر اور تعلیمی دور	3
5	آغاز ملازمت	4
6	میجر کنگ کا ہمدردانہ رویہ	6
7	تاج محمد کا حسن سلوک	7
8	شادی خانہ آبادی	8
9	سفر النساء نام کی وجہ	11
10	راولپنڈی میں قیام	12
11	عبدالحکیم کے ساتھ کام	13
12	گائے کا مشہور قصّہ	15
13	ایک گردہ والی گائے	19
14	صحافت	20
15	حج بیت اللہ	22

16	واقعی دلچسپ	24
17	خبروں کے نمونے	24
18	آپ کا کتب خانہ	25
19	شاہ پور کے شعراء افسانہ نگار اور مورّخ	26
20	نمونہ کلام	27
21	ترکی کے قیدیوں سے ہمدردی	29
22	گھر میں چوری	30
23	کوئٹہ کا زلزلہ اور سپلائی کی بحالی	33
24	کانگریس سے غیر وابستگی	34
25	کھدّر پوشی سے اجتناب	35
26	تاحیات مسلم لیگ سے وفاداری	36
27	انسانی ہمدردی اور جذبہ خدمت	37
28	شاہ پور کی مسجد میں توسیع	39
29	۱۳۲۳ ہجری	39
30	اہلِ وطن سے محنت	42
31	تعمیراتی کام	43
32	نئے مکان کی تعمیر	44
33	فتح پور میں بھی مکان	46
34	شاہپور میں دو مکان کی خریداری	47
35	بڑی جائیداد کے مالک	48

36	سوراباں	49
37	کمشنر الہ آباد ڈویژن کی دعوت	49
38	شاہپور میں اسکول اور اسپتال کی تعمیر جو نہ ہوسکی	51
39	مسلمانوں کی رہن شدہ جائیداد کی واپسی	52
40	بڑے بیٹے کی سگائی	55
41	منوں لال جی وید کا علاج	57
42	دوستوں کا آپ پر پختہ اعتماد	61
43	کیمیاء گر کو جواب	63
44	جو کی روٹی پسند کرنے کی وجہ	65
45	لباس، خوراک اور اندازِ گفتگو	66
46	آپ کے معمولات روزمرہ	67
47	اپنے متعلق وضاحت	67
48	تحصیل کھاگا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ	68
49	داروغہ سمیع الدین نے رپٹ درج نہیں کی۔	69
50	سید عبدالماجد کی شادی خانہ آبادی	71
51	الیکشن میں حصہ	73
52	حاجی صاحب اور پاکستان	74
53	پاکستان کا دوسرا دورہ	76
54	ہندوستان چھوڑنے کی دھمکی	78

55	شاہپور میں گائے کی قربانی کا قضیہ	78
56	الیکشن مین نامزدگی	80
57	بھتیجے کی حادثاتی موت	81
58	سید عبدالہادی کی گمشدگی	83
59	کان پور ٹینری میں مینیجر	86
60	کان پور ٹینری کی فروخت	87
61	آخری دور ملازمت	88
62	نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں	90
63	دوسرا واقعہ	94
64	آپ کی انتہائی کشادہ ظرفی	97
65	پاکستان ہجرت	99
66	نئی کراچی میں رہائش کے لئے کوارٹر	101
67	مولانا افتخار الحق بسمل قمری ہند سے بیعت	102
68	خلف اکبر آپ کے نقش قدم پر	103
69	دال اور نمک	104
70	منظوم خطوط اور سپاس نامہ	105
71	راولپنڈی سے ایک مہمان کی آمد	106
72	آنکھ میں شدید تکلیف	107

73	عاشقِ صلوۃ	108
74	اُن کا حسن سلوک	108
75	اُن کی روشن ضمیری یا کرامات	110
76	دو بزرگوں کے رازدارانہ سوال و جواب	111
77	اچھا فرید میاں خدا حافظ	112
78	وہ کون بزرگ تھے	112
79	شکوہ محبت	113
80	یادگار وفات حسرت آیات اہلخانہ حاجی سید سجاد حسین شاہ پوری	115
81	تنہائی کی مونس تنہائی	117
82	وطن اور اہلِ وطن سے محبت	122
83	حاجی سید سجاد حسین شاہپوری کی قومی خدمات کا مختصر خاکہ	122
84	پیش گوئی	127
85	کل نفس ذائقۃ الموت	127
86	تاثرات جناب صوفی محمود الحق صاحب	129

پیش لفظ :

حاجی سید سجاد حسین شاہپور ضلع فتح پور (ہندوستان) میں ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی والدِ ماجد سید اولاد حسین کا انتقال ہوگیا۔ زندگی کا سفر یتیمی سے شروع ہوا۔ بچپن ہی سے اپنی ذہانت، ہمت، محنت اور جانفیشانی سے بتدریج ترقی کرتے گئے اور ۱۹۴۰ء تا ۱۹۵۰ء میں ان کا شمار فتح پور کی نامور شخصیات میں ہونے لگا۔

رسمی تعلیم زیادہ نہیں تھی لیکن ذاتی کوششوں سے خاصی علمی استعداد حاصل کر لیں تھی۔ اُردو، فارسی اور انگریزی میں نہ صرف یہ کہ خاص مہارت تھی بلکہ گہرا مطالعہ بھی تھا۔ ان کی ذاتی لائبریری میں تاریخ، علوم اور سیاسیات پر ہزاروں کتابیں موجود تھیں۔

حاجی سید سجاد حسین کی معاشی ترقی اور عسرت کی داستان کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے کتابی شکل میں محفوظ کیا جائے لیکن اِن کی زندگی کے وہ پہلو جن کا تعلق سیاسی، سماجی اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی کاوشیں اور اُس وقت ہندوستان کے سیاسی افق پر جو اہم شخصیات تھیں اُن کے ساتھ روابط قابلِ ذکر ہیں۔ مسلم لیگ اور تحریک خلافت کے وہ ایک سرکردہ کارکن تھے۔ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور بے دریغ صرف کیا۔ دولت، عزت اور شہرت سب بامِ عروج پر تھی لیکن تکبر اور غرور سے مستثنٰی تھے، منکسر المزاجی، عاجزی و انکساری میں فقید المثال تھے۔ حاجت مند کی حاجت روائی اور اقربا پروری انکا شیوہ تھا۔ انکی عظمت، انکساری، شفقت، محبت، غرباء پروری

اور اقربا و دوست نوازی سے نہ صرف اہلِ شاہ پور بلکہ جو بھی کوئی ان سے ملا وہ کسی نہ کسی طرح مستفیض ہوا۔

مجھ کو تقدیر جو چاہے وہ دکھائے سجاد
لیکن اُترا ہوا چہرہ نہ کسی کا دیکھوں

وہ صبر و استقامت کا ایک انمول نمونہ تھے۔ ہندوستان میں زمینداری، دولت، شہرت اور عزت انتہائی عروج پر تھی۔ تقسیم ہند کے بعد حالات نے سب کچھ الٹ دیا مگر ان کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہیں آئی صبر و استقامت کے ساتھ فیصل آباد میں اسپینسر اینڈ کمپنی میں ملازمت کر کے زندگی گزارتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام نئی کراچی کے کوارٹرز میں نہایت صبر و شکر کے ساتھ گزارے۔

''اظہارِ رنج و غم تقاضائے بشریت ہے'' دنیاوی جاہ و حشمت اور مال و دولت کا گھمنڈ کبھی نہیں کیا۔ رئیس اعظم شاہ پور ضلع فتح پور ہونے کے باوجود نہ غرور تھا اور نہ ہی سب کچھ ختم ہونے پر نئی کراچی کے کوارٹر میں بے سروسامانی، زندگی کی آسائشوں اور سہولتوں سے محرومی کا گلہ۔

جب بھی احباب اور ملنے والے اظہارِ ہمدردی کرتے تو اُنکا جواب ہمیشہ یہی تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ کوئی تکلیف نہیں۔ بلکہ عاجزی اور روشن خیالی کی انتہا یہ تھی کہ وہ نئی کراچی کے کوارٹرز کی کُھلی فضا، تازہ ہوا کا ذکر تو کرتے تھے۔ مگر کسی پریشانی یا تنگی کا ذکر نہیں۔

اپنے جوان بیٹے عبدالہادی (جن سے انہیں بے پناہ محبت تھی) کی موت پر اس پیکرِ صبر و استقلال کا اپنے جذبات پر بے پایاں ضبط تھا، نہ آنسو نہ گریہ زاری۔

تعزیت کرنے والوں سے بس یہی کہتے کہ اللہ کی امانت تھی جب تک اس نے چاہا زندگی دی، جب چاہا امانت واپس لے لی۔ ہم مشیت ایزدی پر راضی بہ رضا ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حاجی سید سجاد حسین میرے دادا ہیں۔ ان سے یہ نسبت میری زندگی کا عظیم ترین سرمایہ ہے اور اس پر میں جتنا بھی ناز کروں کم ہے۔ میں تقریباً دس سال کی عمر میں اپنے دادا کے ساتھ ہندوستان سے پاکستان آیا۔ یوں ہم دونوں نے خاندان میں سب سے پہلے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی۔ میرا بچپن اور جوانی انکے زیر سایہ گزری۔ انکی والہانہ محبت میری زندگی کی متاعِ عظیم ہے۔ ان کی شفقت اور محبت آج بھی ہر دم محسوس کرتا ہوں۔

سید ساجد حسین

وجہ تصنیف

"من احبّ شیئاً اکثر ذکرہ"

(جس سے محبت ہو اس کا ذکر اکثر کیا کرو)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

سرِ عرش جلوہ نماں ہو تو تم ہو
مکین ہو تو تم ہو مکاں ہو تو تم ہو

غرض ہر طرف ہیں تمہارے ہی جلوے
یہاں ہو تو تم ہو وہاں ہو تو تم ہو

کلام الٰہی ہوا تم پہ نازل
مجسم بمعنی قرآن ہو تو تم ہو

یا محمد تمہیں سب نور خدا کہتے ہیں
پر جو عاشق ہیں وہ کچھ اس سے سوا کہتے ہیں

نہ جنت کے پھولوں نہ کلیوں میں پایا
مزہ جو نگہت مدینے کی گلیوں میں پایا

(حاجی سید سجاد حسین شاہ)

تحریک پاکستان

کا

ایک گمنام سپاھی

حاجی سید سجّاد حسین بخاری شاہ پوریؒ

(سوانح حیات)

مرتب: اشرف فتح پوری

تحقیق وتالیف: ڈاکٹر سید ساجد حسین

سیاسی اور
قومی خدمات

مسلم قوم کا ایک ادنیٰ فرد اور خادم ہونے کی حیثیت سے اپنی خدمات کا تذکرہ اور ذاتی کارناموں کا اعادہ ضمیر کے خلاف ہے تاہم بہ تعمیل ارشاد اجملاً عرض ہے میں ابتداء سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی ترقی کا حامی اور کوشاں رہا ہوں۔ میری خدمات کا آغاز تحریک خلافت سے شروع ہوتا ہے۔ کلکتہ میں بسلسلہ کاروبار ملٹری کنٹریکٹ (Military Contract) مقیم تھا۔ کلکتہ پریزیڈینسی (Calcutta Presidency) میں برٹش فوج کو بیف اور مٹن سپلائی کرنے کا ٹھیکہ تھا۔ اسی زمانے میں مارواڑیوں کے سرمایہ سے آل انڈیا گاؤ پروٹیکشن سوسائٹی (All India Cow Protection Society) قائم ہوئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں گاؤکشی قانوناً یا اخلاقاً بند کرائی جائے۔ اس سوسائٹی کے ممبر مجھ سے فوجی راشن کے اعداد و شمار حاصل کرنے کی کوشش میں تھے اور اکثر جلسوں میں مجھے دعوت دی اور میں نے تقریریں کیں جس کی وجہ سے اس سوسائٹی کو مجھ پر بڑا اعتماد تھا۔

1919 کا ذکر ہے کہ سی۔ آر۔ داس کی کوٹھی پر ایک پرائیویٹ میٹنگ ہوئی جس میں مہاتما گاندھی۔ لالہ لاجپت رائے۔ موتی لال نہرو اور پنڈت مالویہ وغیرہ شریک تھے زمانہ کے موجودہ مسائل اور ہندو مسلم تفاوت پر بحث ہو رہی تھی میں بھی اسی کمرے کے قریب موجود تھا اور میرے ہمراہ گاؤ پروٹیکشن سوسائٹی کے ممبر اور جناب محمد بشیر مرزا صاحب دہلوی بھی تھے۔ دوران بحث مسلمانوں کی

طاقت کمزور کرنے پر روشنی ڈالی گئی۔ گاندھی جی نے تقریر کرتے ہوئے اپنے گر وگوپال گوکھلے کا ذکر فرمایا اور ان کی نصیحت بیان کی اور کہا کہ یہ منتر بہت آزمودہ ہے جس پر عمل جاری رہنے سے پچاس 50 برس میں مسلمان قوم خود بخود فنا ہو جائیگی یا اتنی کمزور ہو جائیگی کہ درجہ اچھوت پر پہنچ کر پھر کبھی نہ ابھرے گی اور وہ منتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے مل کر ان کے ہمدرد بن کر ان کو قرض دو۔ ان سے سود لو اور ان کی جائیدادیں مکفول کرو۔ تقاضا کبھی نہ کرو اور جب رقم اور سود اتنی زیادہ ہو جائے کہ وہ ادا نہ کرسکیں تو بذریعہ عدالت خاموشی سے جائیداد پر قبضہ کرلو یا نیلام کرا کے کسی ہندو کو خرید وادو۔ اس قوم سے لڑ کر کامیاب نہ ہو گے۔ ان کو روپیہ کا لالچ دیکر سود کی شمشیر سے ذبح کرو۔ گاندھی جی کا یہ ارشاد میرے دل پر تیر اور نشتر کی طرح چبھ گیا، ہندو ذہنیت اور انکی خباثت کا پتہ چلا اور میرا دماغ ایکبارگی اس طرف پلٹا کہ مسلمان غریب قوم ہے اس کو ہندوؤں کے پنجے سے بچانا ہر مسلمان کا فرض ہونا چاہیئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں راولٹ بل پر کافی احتجاج ہو چکا تھا اور مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی گاندھی جی کو اپنے کاندھوں پر چڑھائے ملک کا رہنما بنائے پھرتے تھے اور خلافت کانفرنس میں گاندھی جی ایک پیشوا کا درجہ رکھتے تھے اور انکی قیادت پر مسلمانوں کو فخر حاصل تھا۔

1920 میں الہ آباد خلافت کانفرنس کے اجلاس میں تحریک عدم تعاون شروع ہوئی اور کلکتہ کے اجلاس کانگریس وخلافت میں اسکو پروان چڑھایا گیا،

ملک میں کافی شورش پیدا ہوگئی۔ ایک طرف خلافت تحریک کو سراہا جارہا تھا اور دوسری طرف مہاتما گاندھی بمعراہی آریہ لیڈران اسلام کی بیخ کنی میں خفیہ سازشیں کررہے تھے۔ مالویہ جی کا مشن کانگریس کے اندر اور کانگریس کے باہر اپنی قومیت اور مذہبیت کو بام عروج پر پہنچانے میں مصروف تھے۔ علیگڑھ یونیورسٹی کی تخریب اور بنارس ہندو یونیورسٹی کی تعمیر پیش نظر تھی۔ مولانا محمد علی سے ان واقعات کا ذکر کیا۔ کھدر اور گاؤکشی کے مسئلہ پر کافی بحث ہوئی اور بتایا کہ ان تحریکوں سے مسلمان قوم تباہ ہو جائیگی۔ دو مسلم تجارتی فرقے اپنی آزادی سے محروم ہوکر ہمیشہ کے لیے غلام ہو جائیں گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد اس وقت کلکتہ خلافت کمیٹی کے صدر اور کرتا دھرتا تھے، جن کی شخصیت کے اثر سے ایک طرف تو خلافت فنڈ کا بڑا حصہ مولانا کی خوشامد اور راضی رکھنے اور ان کے تفریح سفر کرایہ ٹیکسی میں نذر ہورہا تھا تو دوسری طرف کانگریس کے مستقل عطیہ سے مولانا رنگین زندگی بسر کررہے تھے۔ میں بھی خلافت فنڈ میں بڑی رقم سے مدد کرنے والا اس تحریک کا پرجوش حامی اور مسٹر محسن علی و محسن خان سیکریٹریاں خلافت کمیٹی کا داہنا بازو تھا اس لیے اندرونی حالات اور مولانا کے پرائیویٹ لائف کا آئینہ دار بھی تھا۔ قریب دس ہزار کے خلافت ٹکٹ فروخت کیئے اور مولانا محمد علی کی تشریف آوری پر ایک ہزار کی رقم پیش کی تھی جب حالات و واقعات حد سے زیادہ گزرنے لگے اور مولانا آزاد گاندھی جی، لالہ لا

چت رائے، پنڈت موتی لعل نہرو، مالویہ اور شاردا نند وغیرہ کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ نظر آیا۔ بنگال کے سب سے بڑے لیڈر مسٹر سی۔آر۔داس جنہیں اس زمانہ میں کلکتہ کارپوریشن کے میئر (Mayor) ہونے کا فخر حاصل تھا اور جنہوں نے بنگال ہندو مسلم پیکٹ بنایا تھا جن کے متعلق مشہور تھا کہ ان میں تعصب نام کو نہیں۔ ان کے زمانہ کارپوریشن میں ایک اسکیم توسیع واٹر ورکس (Water Works Extension Scheme) منظور ہوئی جس میں دو ہزار سے اوپر ملازم رکھے گئے تھے اور بجائے پچپن فیصد (55%) کے صرف 23 مسلمانوں کو ملازمت ملی تھی باقی سب بنگالی اور بہاری ہندو رکھے گئے چونکہ پیکٹ حال ہی میں بنا تھا مسلمانوں کی یہ حق تلفی دیکھ کر انتہائی افسوس ہوا اور یہ یقین ہو گیا کہ اس قوم کا ہر فرد دو رخ رکھتا ہے اس کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں ان حالات سے متاثر ہو کر میں نے ایک انجمن اتحاد المسلمین کے نام سے بنائی جس کے ذریعہ اصلاح و تنظیم کا کام کرتا رہا۔ چونکہ بغیر اخبار و پریس کے کوئی بھی کام اور جلد نہ ہوسکتا تھا اس لیے اپنے ذاتی سرمائے سے 1922 میں سجاد الیکٹرک پریس سراج بلڈنگ کلکتہ میں قائم کر کے روزانہ اخبار انقلاب زمانہ اور ہفتہ وار ظریف اخبار ''لبخو نچوں'' جاری کر کے مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی کو روکنے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے کارپوریشن سے جدوجہد کی اور مولانا آزاد، سی۔آر۔داس سے نبرد آزمائی کی۔ بحمد اللہ میری محنت بارآور ہوئی اور

مسلمانوں کو بنگال گورنمنٹ اور کارپوریشن میں کافی حقوق حاصل ہوئے۔

میں نے اِس وقت سے قومی خدمت بیدریغ انجام دیں جس میں مجھے مالی قربانی اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، گورنمنٹ پر نکتہ چینی کرنے کا نتیجہ مخالفت مول لینا تھا جسکی وجہ سے کاروبار میں دو، ڈھائی لاکھ کا نقصان اُٹھانا پڑا اور خفیہ پولیس کی رپورٹ پر مجھے ملٹری کنٹریکٹ ملنے بند ہوگئے۔ کافی نقصان اُٹھانے اور مولانا آزاد، شائق احمد عثمانی ایڈیٹر ''عصر جدید'' کلکتہ اور ان کے دیگر ہم خیال رہنماؤں کی شدید مخالفت اور ضرر رسانی سے مجھے کلکتہ چھوڑ کر اپنا پریس الہ آباد منتقل کرنا پڑا۔ 1926ء میں اِلہ آباد میں اسٹار الیکٹرک پرنٹنگ ورکس شیو چرن لال روڈ پر قائم کر کے روزآنہ اخبار ''خادم'' ہفتہ وار ''ترجمان'' اور ماہوار ادبی رسالہ ''اکبر'' اپنے ہاتھ میں لیا، مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کر کے ان میں ذوقِ تجارت بڑھایا جس کی نتیجہ اب تک موجود ہے کہ کثرت سے مسلمان حلوائیوں، بزازوں اور پرچون کی دوکانیں چل رہی ہیں اور ان کے گھرانے خوشحال ہورہے ہیں۔ دہکندہ کے فساد میں مولانا ولایت حسین صاحب کی مدد سے برادرانِ وطن کہ خلاف محاذ پر رام لیلا کمیٹی کے صدر سرنجن لال اور ان کے دست راست ڈاکٹر محمود اور مالویہ جی سے سخت مخالفت کر کے مسلمانوں کو سنبھالا اور پسماندہ سرمایہ بھی ختم کردیا۔ 1928 میں مجھے موقع مل گیا اور پھر ملٹری کنٹریکٹ سے وابستگی پیدا ہوگئی کیونکہ بغیر سرمایہ گاڑی چلنا دشوار تھا۔

الہ آباد سے مشین پریس لکھنو منتقل کر دیا اور جالب مرحوم نے جب ہمدم اخبار سے علیحدگی حاصل کر کے اپنا دوسرا اخبار ''ہمت'' جاری کیا تو انہیں پریس کی ضرورت تھی میں نے ڈبل ڈائی مشین اور کل سامان مولانا مرحوم کے حوالے کر دیا تا کہ قومی مطالبات کی نشر واشاعت ہوتی رہے۔ مولانا جالب دھلوی کے انتقال کے بعد ہمت اخبار سید حسن ریاض صاحب کچھ عرصہ تک چلاتے رہے جو اس وقت بھی منشور کے ایڈیٹر اور لیگ کے بہترین مشیر ہیں۔

میرا ہمیشہ یہ عمل رہا کہ مسلمانوں مین تجارتی ذوق بڑھایا جائے ان کو ہندؤں سے قرض لینے اور سود دینے کا شکار نہ ہونے دیا جائے۔ ملازمت کی غلامی سے بچایا جائے چنانچہ بسلسلہ ذاتی کاروبار ہندوستان کی تمام چھاؤنیوں میں کام کیا اور فوجی ٹھیکوں میں کثرت سے مسلمانوں کو لگایا، مختلف صنعت وحرفت میں مسلمانوں کو بڑھایا جو اس وقت خدا کے فضل سے خود سرمایہ دار ہیں اور اپنے خاندان وقوم کے بہت سے افراد کے کفیل ہیں۔

شدھی وسنگھٹن کے دور میں اسلامی تبلیغی اداروں کے قیام اور سرمایہ سے ہمیشہ مدد کی۔ متعدد مساجد تعمیر کیں بہت سی مسجدوں اور مزاروں کی مرمت میں کثیر رقم صرف کی تا کہ مسلمانوں کی مذہبی ضروریات تبلیغ اور ان کی تنظیم کا کام مناسب طریقہ سے پورا ہو سکے مدرسوں کو مالی امداد دی یتیم اور بیوگان کی خدمت اپنا فرض سمجھا۔ قومی اداروں اور انجمنوں کا سیکریٹری و صدر رہا۔ واردھا اسکیم

(Wardha Scheme) کی بڑے شدومد سے مخالفت کی۔

جب قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ میں نئی جان آئی اور مسلمانوں کی تنظیم شروع ہوئی تو یوپی، پنجاب اور صوبہ سرحد میں کانگریس اور مخالفین لیگ کے مقابلے میں محاذ قائم کیا1936-1937 کی انتخابی مہم میں مسلم لیگ کی حمایت میں کافی پیسہ خرچ کیا اور ہر طرح کی امداد اور اشاعت کی۔

راولپنڈی کے زمانہ قیام1937-1938 میں علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک میں جو خامیاں نظر آئیں ان پر کافی نکتہ چینی کر کے نقائص کو دور کرنے کی کوشش کی۔نواب بہادر یار جنگ۔قاضی محمد عیسیٰ۔مولانا کرم علی ملیح آبادی۔مولانا حامد بدایونی کے دورے میں تین روز تک لیگ کے جلسے کرائے جو بہت کامیاب ہوئے اور لیگ کا کافی اثر پیدا ہو گیا اس وقت مسلم ہائی اسکول کی خدمت بھی میرے سپرد تھی۔

ایبٹ آباد اور کوہ مری پر خان عبدالغفار خان اور قاضی عطاء اللہ صاحب اور دیگر کانگریسی لیڈروں سے ہمیشہ جنگ رہی۔جنگ عظیم میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فوجی ٹھیکے دلوائے اور مالی امداد سے کام چلائے۔ہمیشہ قومی کاموں میں خدمت کی علیگڑھ میڈیکل کالج میں کافی رقم پہنچائی، چندے دیئے اور دے رہا ہوں۔

ایک سال سے اپنے کاروباری مشاغل کم کر کے اب فتح پور میں مستقبل

طور پر مسلمانوں کی اصلاح اور خدمت میں مصروف ہوں۔ وطن ہونیکے اعتبار سے اب زیادہ فکر یہ ہے کہ یہاں کی گرتی ہوئی حالت سنبھالی جائے اور مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کر کے ان میں تجارت اور صنعت کا شوق بڑھایا جائے اور اس ضلع کو موجودہ زمانے کے معیار کے مطابق ترقی دیجائے۔ چنانچہ اب مسلمانوں میں عام بیداری، تنظیم اور قومی جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ مسلم لیگ کا پیغام ''پاکستان'' گوشہ گوشہ میں پہنچادیا گیا، مسلم اسٹوڈنس فیڈریشن قائم ہوئی جس کی صدارت میرے سپرد ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ حال کے مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں سو فیصدی ووٹ مسلم لیگی امیدوار ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب کو ملے اور شاندار کامیابی ہوئی جس پر ضلع فتحپور کو بجا طور پر فخر حاصل ہے۔

فتحپوری ہائی اسکول کو جو مسلمانان ضلع فتحپور کا واحد ادارہ ہے ہر ممکن امدادی اسے مالی مشکلات سے نکالا اور بادمخالفت سے بچایا۔ پہلے اس ادارہ کا ممبر انچارج رہا اب پریزیڈنٹ ہوں اسکول اور مدرسہ اسلامیہ کی تعمیرات میں کثیر رقوم دیں ''سجاد ہال'' بنوا کر اسپیشل کلاس کے لیے کھولدیا۔ اسکول کی توسیع و ترقی کے لیے جدوجہد جاری ہے۔ اکثر مسلمان خاندانوں کو مالی مشکلات میں امداد دے کر ان کو سودی قرض سے بچایا اور ان کی جائیدادیں بچائیں۔ ضلع میں مسلم حقوق کی حفاظت اور ان کی اقتصادی حالت کی اصلاح و ترقی کے لیے امان جنگ اسکیم کی طرف خاص توجہ دی اور مسلم اکثریتی علاقوں میں نہر اور بجلی کے لیے اسکیم

پیش کی اور جدو جہد جاری ہے۔

ضلع فتح پور کے مختلف اداروں میں درج ذیل خدمات پر اس وقت بھی مامور ہوں ، صدر مسلم ہائی اسکول، صدر پرائمری مسلم لیگ شاہپور، صدر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن، ممبر زمیندار ایسوسی ایشن آگرہ واودھ، ممبر ضلع ایگریکلچر ایسوسی ایشن، ممبر فوڈ گرین ایڈوائزری بورڈ، ممبر پبلک ویلفیئر کمیٹی، ممبر ریڈ کراس، ممبر یو۔ پی فروٹ ڈیولپمنٹ بورڈ، ممبر نیشنل وار فرنٹ، ممبر یوسف کلب، ممبر زاہد کلب کھا گا۔

زمانہ خلافت میں مولانا محمد علی نے محسنِ قوم مولانا عبدالحامد بدایونی نے فخرِ قوم۔ مولانا حسن الدین خاموش نے ''فیاض العصر'' اور ''دریا دل'' کے قومی خطابات عطا فرمائے۔ مسلم لیگ الیکشن فنڈ میں کثیر رقوم بھجوائیں، خود قائداعظم فنڈ میں ایک ہزار، پراونشل مسلم لیگ دہلی الیکشن فنڈ میں پانچ سو خود اور پانچ سو ہائیڈ مرچنٹ ایسوسی ایشن کے معرفت دیئے، پرائمری مسلم لیگ شاہپور کو پانچ سو بغرض نشر و اشاعت مسلم لیگ الیکشن دیئے اور ایک ہزار روپیہ ضلع فتحپور کے کنسٹیٹیونسی بورڈ کو بغرض ابتدائی اخراجات پراونشل اسمبلی الیکشن دیا۔ سکندر آباد اور حیدر آباد دکن کے اپنے کاروباری حلقہ احباب سے پچیس ہزار کی رقم قائداعظم فنڈ کو دو لاکھ کی رقم کے ساتھ حیدر آباد سے بھجوائی۔ لکھنؤ کا یونائیٹڈ انڈیا برقی پریس مکمل خرید کر فتحپور لا رہا ہوں تاکہ اس ضلع سے مسلمانوں کی آواز بلند کی جائے اور ان کے

حقوق کا تحفظ ہو۔

قومی زبان اردو کی ترقی وحفاظت کے لیے ایک ادارہ بڑے پیمانے پر حیدرآباد دکن میں عبدالحق اکیڈمی اور گشتی کتب خانہ کے نام سے جاری کیا ہے جو تالیف وتصنیف کا کام کر رہا ہے۔

فتحپور میں مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے الیکٹرک پاور ہاؤس اور واٹر ورکس کے قیام کی اسکیم تیار کر چکا ہوں، گورنمنٹ سے جلد لائسنس حاصل کرنے اور میونسپلٹی سے معاہدہ کرنے کی کوشش میں ہوں۔ فتحپور میں الیکٹرک ہو جانے کے بعد ترقی کے بہت سے سامان خود بخود پیدا ہو جائیں گے اور اس طرح مسلمانوں کی اقتصادی حالت انشاءاللہ بہت اچھی ہو جائے گی۔

میری گزشتہ قومی خدمات کا اندازہ روزنامہ ''انقلاب زمانہ'' اور ہفتہ وار ظریف اخبار پنچو نچوں کلکتہ اور روزانہ اخبار ''خادم'' و ہفتہ وار ''ترجمان''، الہ آباد کی فائلوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ فتحپور کے مسلمانوں کی ہر دلعزیزی کا اندازہ یہاں کے مقامی اخبار ''دلچسپ'' سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔

میری مالی حالت خدا کے فضل وکرم سے بری نہیں، پانچ ہزار کا مال گزار ہوں علاوہ زمینداری کئی جگہ کاروبارہ ہے، انکم ٹیکس ادا کرتا ہوں مختصر یہ کہ دال روٹی کی فکر سے بے نیاز ہوں، برادران وطن کی چالوں سے خوب واقف ہوں

اور ان کی روٹی کپڑے کی امداد سے مستغنی ہوں ، اگر لیگ نے ٹکٹ دے دیا تو اپنے الیکشن کے اخراجات کا بار خود برداشت کرونگا لیگ فنڈ کو زیر بار نہ کرونگا خواہ کانگریس کے کتنے ہی بڑے سے بڑے لیڈر کا مقابلہ کیوں نہ ہو۔

بڑے بڑے مجمع میں بلا تکلف سیاسی ، اقتصادی اور مذہبی تقریریں کرسکتا ہوں۔ جمعہ، عید ، بقر عید کی نماز کا پیش امام بھی ہوں۔ صورت و سیرت میں مسلمان، روزہ نماز کا پابند، باون (۵۲) سال کی عمر کا مسلمان سپاہی ہوں۔ لکھنؤ میں کوٹھی نمبر ۳۸ کنٹونمنٹ روڈ پر قیام گاہ ہے اور مستقل قیام کا انتظام ہے۔

آپ کی سمع خراشی کو مد نظر رکھتے ہوئے مختصراً عرض کیا ہے بالکل اس طرح جس طرح طوفان میل کلکتہ سے چل کر بڑے اسٹیشنوں پر ٹھہرتا ہوا دہلی جلد پہنچ جاتا ہے درمیان کے واقعات وحالات کو نظر انداز کر دیا ہے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ کو پارلیمنٹری بورڈ کے وفد کو فتحپور میں ایک ہزار روپیہ دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ مومن برادری و شیعہ جماعت بھی اعتماد کرتی ہے اور اپنا نمائندہ خیال کرتی ہے۔

والسلام

قوم کا ادنیٰ خادم

سید سجاد حسین

شاہ پور۔ ضلع فتحپور

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر تحریکِ خلافت کے علمبردار اور تحریکِ آزادی ہند کے بانیوں میں سے تھے۔ انکی نڈر قائدانہ صلاحیت، فصاحت، علمیت اور خطابت نے تحریک آزادی ہند کو انتہائی تقویت بخشی۔ مہاتما گاندھی کی تحریک عدم تعاون کو در حقیقت ابتداء میں تحریکِ خلافت سے تقویت ملی۔ مولانا محمد علی نے گاندھی اور کانگریس سے بھرپور تعاون کیا۔ اور اکثر عوامی جلسے مشترکہ پلیٹ فارم سے ہوئے۔ لیکن جلد ہی ہندو قوم پرستی کی پالیسی کی وجہ سے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ جب کہ کئی دوسرے مسلمان لیڈر جن میں مولانا ابوالکلام آزاد۔ حکیم اجمل خان وغیرہ مہاتما گاندھی اور آل انڈیا کانگریس سے وابستہ رہے۔

مولانا محمد علی جوہر نے صحافت میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔ اور اپنے اخبار روزنامہ ہمدرد اور کامریڈ (COMRADE) کے ذریعے مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود اور سیاسی حقوق کی جدوجہد کرتے رہے۔

تحریکِ خلافت کی ابتداء 1919ء میں ہوئی۔

مولانا نے مسلم وفد کے نمائندہ کی حیثیت سے 1919ء میں برطانیہ کا سفر کیا۔ تاکہ حکومتِ برطانیہ کو قائل کرسکیں کہ ترکی کے مصطفیٰ کمال سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ عبدالحمید دوئم کو معزول نہ کریں کیونکہ وہ اس وقت ملتِ اسلامیہ کے خلیفہ تھے۔ حکومتِ برطانیہ نے انکا یہ مطالبہ مسترد کردیا۔ نتیجتاً خلافت کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی جس نے تمام ہند کے مسلمانوں کو حکومتِ برطانیہ کے خلاف احتجاج اور عدم تعاون پر آمادہ کیا۔

حکومتِ برطانیہ کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے بار ہا جیل گئے۔ اسکے علاوہ خالق دینا ہال کراچی میں انکے ایک سیاسی مقدمہ کی کاروائی ہوئی اور ۲/۱ ۲ سال (ڈھائی سال) کراچی سینٹرل جیل میں قید رہے۔ جب وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے تو اُنکے بھائی شوکت علی اور والدہ ''بی اماں'' تحریکِ خلافت کے جلسوں کی قیادت کرتی تھیں۔

دورِ حیات آئے گا قاتل تیری قضا کے بعد
ہے ابتداء ہماری تیری انتہا کے بعد
(مولانا محمد علی جوہؔر)

مولانا محمد علی جوہؔر ذیابطیس کے مرض میں مبتلا تھے اور اسکی پیچیدگیوں کی وجہ سے صحت بہت گر گئی تھی۔ اپنی مخدوش صحت کے باوجود 1930ء میں راونڈ ٹیبل کانفرنس Round Table Conference میں شرکت اور اہلِ ہند کی نمائندگی کرنے لندن گئے۔ اور حکومت برطانیہ کو بَر ملا یہ پیغام دیا کہ میں ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاؤنگا۔ میرے ملک کو آزادی دو۔ اگر تم آزادی نہیں دے سکتے تو پھر تم کو یہاں میرے لئے قبر کی جگہ دینی ہوگی۔

"I will not got to a slave country, give independence to my country, if you cannot give freedom, then you will have to give me a place for my grave here".

قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ مولانا کی وفات لندن میں ہی 1931ء میں

ہوئی۔اور مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی نے انہیں مسجد اقصیٰ کے قریب جگہ دی۔ انکے قبر کے کتبہ پر لکھا گیا:-

"Here lies Al-Sayyid Muhammad Ali Al-Hindi".

مولانا محمد علی جوہر اپنے وقت کے ایک عظیم مقرر خطیب عالم اور نڈر صحافی تھے۔

بقول مشہور برطانوی دانشور اور مصنف H.G. Wells

''مولانا محمد علی کا دل نپولین کا قلم میکالے کا اور زبان (خطابت) بَرکے کی تھی''۔

"HE HAD THE HEART OF NAPOLEON, THE PEN OF MACAULAY AND THE TONGUE OF BERKE". H.G. WELLS

مولانا محمد علی جوہر کہتے ہیں کہ حاجی سید سجاد حسین ہمیشہ سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کیلئے کوشاں رہے۔انکی سیاسی خدمات کا آغاز تحریک خلافت سے شروع ہوتا ہے۔تحریک خلافت میں اُنہوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔خطیر رقم خلافت فنڈ میں دی اور کلکتہ سے روزنامہ اخبار ''انقلاب زمانہ'' شائع کیا تاکہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور اُن سے بے انصافی کو اجاگر کیا جا سکے۔ یوں وہ دامے، درمے ،قدمے، سخنے تحریکِ خلافت میں شامل رہے۔

ہندو لیڈروں کی اسلام کی بیخ کُنی اور کانگریس کی ہندو قومیت اور مذہبیت کو پروان چڑھانے کی سازش کو حتی المقدور بے نقاب کیا۔ مہاتما گاندھی کی تحریک کھدر پوشی اور گاؤ کُشی کے مسئلہ پر مولانا محمد علی جوہر کو اپنے نکتہ نظر سے آگاہ کیا۔

مولانا محمد علی جوہر نے اُنہیں ''محسنِ قوم'' کا خطاب بھی دیا۔

کانگریس سے غیر وابستگی

باوجود یہ کہ مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، عارف سہروردی ماسٹر مظہر علی بن طیب علی شاہپوری یہ سب عمر میں آپ سے بڑے تھے اور پکے کانگریسی تھے بغاوت کے الزام میں قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں اور مالی نقصان بھی اُٹھائے ان سب سے حاجی صاحب کے گہرے روابط تھے اکثر یہ لوگ آپ کو کانگریس پارٹی میں شامل ہونے کی نہ صرف ترغیب دیتے تھے بلکہ تعلقات کے باعث زور ڈالتے تھے لیکن آپ نے کانگریس میں شمولیت اختیار نہیں کی۔

جب کانگریس نے بدیسی مال کا بائیکاٹ کیا تو گاندھی نے چرخہ چلا کر سوت کاتنا شروع کیا اور عوام نے سڑکوں پر اپنے اپنے قیمتی سوٹ جو غیر ملکی کپڑے کے بنوائے گئے تھے وہ لا کر جلانا شروع کر دیا حاجی صاحب پوشاک کے معاملے میں بڑے نفاست پسند تھے اور قیمتی سوٹ پہنا کرتے تھے ان سے بھی کہا گیا لیکن اُنہوں نے نہیں جلایا۔ اُنہوں نے کہا کہ مشقت کی کمائی کو اس طرح سے ضائع کرنا اسراف ہے ان باتوں سے انگریز حکمران پر کوئی اثر نہ پڑے گا پھر مغرب تو ہمارے گھروں میں کب کا داخل ہو چکا ہے۔

کھدّر پوشی سے اجتناب

کانگریسی مسلمانوں نے جو آپ کے دوست تھے آپ پر زور ڈالا کہ آپ بھی کھدّر کا لباس پہنیں لیکن آپ نے کھدر کا لباس کبھی نہیں پہنا کہتے تھے دل اس طرف راغب ہی نہیں ہوتا آپ کا خیال تھا کہ گاندھی نے چرخہ اسکیم اس وجہ سے رائج کی ہے اور کھدر کے لباس پر زور دینے کا مطلب یہ ہے کہ بنارس۔ بھاگلپور۔ بمبئی وغیرہ کے مسلمانون کے ہاتھ میں پوت، سنگی۔ مشروع۔ زربفت۔ کم خواب ایسے قیمتی پارچہ بانی کی صنعت ہے وہ ختم ہو جائے انصاری برادری کے افراد جو اپنے گھروں میں کھڈی سے ڈیزائین دار کپڑا تیار کرتے ہیں اس کی جگہ صرف سفید کھدر استعمال کیا جائے اور مسلمان جو اس صنعت سے روزی کماتے ہیں نہ کما سکیں البتہ تحریک خلافت میں سرگرم کارکن کی حیثیت سے شامل رہے اور مولانا محمد علی جوہر کے رفیق کار کہلائے اس دور میں ارزانی تھی غلہ سستا تھا سونا ۲۵ روپیہ تولہ کے نرخ سے ملتا تھا چنانچہ تحریک خلافت فنڈ میں آپ نے پانچ سو روپیہ چندہ دیا۔

دال اور نمک

کرم چند موہن داس گاندھی جی کی یہ دلی خواہش تھی کہ ہندوستان میں گئوکشی کا رواج کسی نہ کسی طرح بند ہو جائے انگریزوں کی حکومت تھی وہ خود گائے کا گوشت

کھاتے تھے ان کی فوج بھی چنانچہ گاندھی جی نے یہ اسکیم بنائی کہ ان ٹھیکیداروں کو راضی کیا جائے جو مسلمان ہیں اور گائے کا گوشت سرکار کو سپلائی کرتے ہیں جب یہ لوگ راضی ہوں گے تو پھر عام طور پر گئوکشی بند کرانا آسان ہو جائے گا چنانچہ اس کے لئے گاندھی جی نے ایک خفیہ میٹنگ بلائی اور اس میں اور لوگوں کے علاوہ حاجی صاحب بھی تھے جنہیں مسلمان ٹھیکیداروں کی نمائندگی کے طور پر شرکت کے لئے کہا گیا تھا الغرض گاندھی جی نے اپنی اسکیم بتلائی جس پر حاجی صاحب نے کہا یہ تو ہم لوگوں کا ذریعہ معاش ہے اگر ہم اس کو چھوڑ دیں گے تو روزی کمانے کے لئے ہم کو کچھ نہ کچھ تو درکار ہوگا چنانچہ آپ نے یہ تجویز سامنے رکھی کہ جب ہم لوگ گئوکشی بند کر دیں گے تو جس چیز کی تجارت ہم کریں گے وہ پھر کوئی آپ کی قوم کا فرد وہ چیز فروخت نہ کرے گا ہم صرف دال اور نمک کی تجارت کریں گے لیکن شرط یہی ہے کہ کوئی ہندو اس کی تجارت نہ کرے گاندھی جی نے اس کو فوراً منظور کر لیا لیکن حاجی صاحب نے جواب دیا کہ آپ تو ہندوؤں کی جماعت یعنی کانگریس کے ۴ آنے کے ممبر بھی نہیں ہیں آپ تو ہمیں مارواڑیوں کے تجارتی یونین سے تحریری معاہدہ کرائیں چنانچہ گاندھی جی نے صلاح مشورہ کی مہلت لی اور یہ تجویز مارواڑیوں کے سامنے رکھی اُنہوں نے اس کر یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہم اپنے پیروں پر اپنے ہاتھوں کلہاڑی نہیں مار سکتے۔

حاجی صاحب نے بتلایا ہماری تجویز کو قبول نہ کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ نمک ہر ہندو اور مسلمان کے گھر میں روزانہ آٹا استعمال ہوتا ہے اور دال بھی لہٰذا اس کو

ان لوگوں نے منظور نہیں کیا اور بات ختم ہوگئی۔

مولانا محمد علی جوہر نے تحریک خلافت اور عدم تعاون کے ایک جلسہ عام میں حاجی سید سجاد حسین کی اس سیاسی بصیرت اور مسلمانوں کے معاشی حقوق کے تحفظ کی کاوشوں کا اعتراف کیا۔

ترکی کے قیدیوں سے ہمدردی

۱۹۱۴ء میں جرمن اور برٹش فوجوں میں جنگ ہوئی ترکی جرمن کا حلیف تھا ۱۹۱۸ء میں جرمن کو شکست ہوئی جہاں اور فوجی قید ہوکر آئے ترک فوج کے بھی سپاہی اور افراد آئے جو مردانہ حسن کا ایسا مکمل نمونہ تھے کہ انگریز سولجر بھی ان کے آگے شرما جائیں لیکن اس وقت وہ قیدی تھے برٹش گورنمنٹ نے ان کو ایک میدان میں قید کر رکھا تھا اور چاروں طرف خار دار تار لگا دیئے تھے جن میں رہ کر وہ موسم کی ہر تکلیف برداشت کرتے تھے آپ کو بحیثیت مسلمان ہونے کے ان قیدیوں سے دلی ہمدردی تھی اوران کے خورد ونوش کا ٹھیکہ آپ کے پاس تھا برٹش گورنمنٹ نے نصف پاؤ گوشت ہر سپاہی کے لئے منظور کیا تھا جو تندومند سپاہیوں کے لئے قطعی ناکافی تھا آپ نے فی سپاہی ایک پاؤ گوشت کا اضافہ اپنے طور پر کردیا اور اس کی قیمت کا خود نقصان برداشت کرتے رہے صبح وشام آپ ان کے کیمپ کا چکر لگاتے اور کسی کسی قیدی سے

موقع پا کر بات چیت بھی کر لیا کرتے تھے چونکہ آپ ترکی ٹوپی استعمال کرتے تھے اس لئے ان لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کی قدر اور محبت ہوگئی تھی۔ یہ سلسلہ عرصہ تک چلتا رہا پھر نہ جانے کس طرح انکشاف ہوا کہ ٹھیکیدار نے ان کی خوراک میں اضافہ کر دیا ہے اور بعض ضرورت کی اشیاء بلا قیمت ان کو مہیا کرتے ہیں چنانچہ آپ کا یہ عمل گورنمنٹ کی نظروں میں سخت ناپسند تھا اور اس سلسلے میں آپ سے باقاعدہ باز پرس شروع ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ آپ پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ قیدیوں کے کیمپ کی طرف نہ جائیں چنانچہ جب آپ مجبوراً اس طرف نہ گئے تو قیدیوں کو آپ کے بارے میں تشویش لاحق ہوئی اور راشن پہلے کی طرح کم ملنے لگا جس سے ان کی شکم سیری ممکن نہ تھی اس لئے قیدیوں نے بھوک ہڑتال کر دی اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا کہ ٹھیکیدار کو ہم لوگ دیکھنا چاہتے ہیں ان کی خیال تھا کہ کہیں ٹھیکیدار کو ہم لوگوں کی ہمدردی کے ساتھ پیش آنے پر سزا تو نہیں دی گئی۔

القصہ سجاد حسین صاحب کا انگریز حکام اعلیٰ کے سامنے بیان ہوا آپ نے یہ بیان دیا کہ ان کو نصف پاؤ گوشت آپ کی طرف سے دیا جاتا ہے جس میں کچھ ہڈی اور چھچھڑے نکل جاتے ہیں کچھ باورچی اور بیرے نکال لیتے ہیں اس طرح جو راشن ملتا ہے وہ ان تک پہنچتے پہنچتے کچھ نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے اور یہ لوگ بھوکے رہتے ہیں اس لئے میں نے اپنی طرف سے گوشت کی مقدار میں اضافہ کیا ہے۔

(رائیل انڈین ملٹری کنٹریکٹر)

تاحیات مسلم لیگ سے وفاداری

آپ نے اس وقت سے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی جب مسلم لیگ کا ماہانہ چندہ صرف ۲ آنے تھا کانگریس سرمایہ کے اعتبار سے کافی مستحکم جماعت تھی اس پر طرہ یہ کی کانگریس میں مسلمان بھی تھے اور پروپیگنڈہ کے لئے پریس۔ اخبارات اور دیگر ذرائع بھی وافر تھے لیکن مسلمانوں کا جذبہ اسلامی بیدار ہوا تو اُنہوں نے کثرت کی پرواہ نہیں کی اور تھوڑے عرصہ میں مسلمانوں کی اپنی جماعت بن گئی کانگریس میں وہ مسلمان رہ گئے جنہوں نے اپنے ضمیر کا سودا کر لیا تھا اور ذاتی منفعت کی خاطر کانگریس پارٹی سے وابستہ رہے لیکن ان کی وقعت نہیں تھی البتہ کانگریس کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اس کی جماعت میں مسلمان بھی ہیں اور وہ ہندوستان کی نمائندہ جماعت تھی۔

لیکن مسلم لیگی لیڈروں نے کانگریس کا یہ دعویٰ غلط ثابت کر دیا پورے ملک میں بیداری کی لہر دوڑ گئی بوڑھے، جوان، نوجوان چھوٹے چھوٹے بچے، مستورات، امیر غریب سب اپنی بساط سے بڑھ کر مسلم لیگ کو پراون چڑھانے اور پاکستان حاصل کرنے کی دھن میں لگ گئے ہر شخص جانی اور مالی قربانی کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہا اس سلسلہ میں شاہ پور بھی کسی قرب و جوار کے بڑے بڑے قصبات سے حاجی سید سجاد حسین صاحب کی بدولت پیچھے نہیں رہا بلکہ سب پر سبقت لے گیا۔

صاحب موصوف نے اپنے خرچے پر مسلم لیگی لیڈروں کو بلوا کر جلسے کرائے ایرایان میں جلسہ اور ضیافت ہوئی وہ یادگار ہے جس میں نواب یوسف، نواب عیسیٰ

خان ، نواب صدیق حسن کوڑا جہاں آباد والے، علی عباد سوز ، ماہر تعلیم ماسٹر اسحاق صدیقی ، مظہر الحسن فتح الٰہی اور جانے کتنے سر برآوردہ شخصیات شریک ہوئیں عوام کا تو کچھ شمار ہی نہیں قرب و جوار کے افراد ایرایان میں پھٹ پڑے تھے سب شریک جلسہ اور شریک طعام رہے اس دن ایرایان میں کا رہی کار نظر آرہی تھیں الغرض یہ مسلم لیگ کا جلسہ انتہائی کامیاب رہا۔ چندہ دینے کے معاملے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا خود بھی گراں قدر رقوم لیگ فنڈ میں دیں اور اپنے تجارت پیشہ ساتھیوں سے بھی لاکھوں کی رقم دلوادی جس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے آپ کو اسی کتاب میں بعنوان حاجی سید سجاد حسین کی قومی خدمات کا مختصر خاکہ میں نظر آئیں گی۔ جس پر اہل وطن یعنی شاہ پور والوں کو بجا طور پر فخر کرنے کا حق ہے کیونکہ نہ تو یہ مواقع بار بار آتے ہیں اور نہ ایسے لوگ جلد جلد پیدا ہوتے ہیں جن کی بدولت ماضی کی دلکشی کو یاد کیا جائے۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

حاجی سید سجاد حسین نہ صرف مسلم لیگ کے ایک فعال رکن تھے بلکہ ہمہ تن لیگ کی سرگرمیوں میں دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سُخنے شامل رہے۔ مسلم لیگ کے نامور اور صفِ اوّل کے لیڈروں کے ساتھ خاصے روابط تھے۔

قابلِ ذکر لیڈروں میں نواب زادہ لیاقت علی خان اور چوہدری خلیق الزمان سے بھی مراسم تھے۔

چوہدری خلیق الزمان کا تعلق یو پی۔ انڈیا سے تھا۔ اور حاجی سید سجاد حسین بھی یو پی میں فتح پور ہسوہ اور لکھنو وغیرہ میں مسلم لیگ کے سرگردہ رکن تھے۔ اور خطیر رقم مسلم لیگ فنڈ میں دیتے تھے۔

چوہدری خلیق الزمان صفِ اوّل کے ایک اہم مسلم لیگی لیڈر تھے لاہور کا تاریخی جلسہ جس کی صدارت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کی اس جلسہ میں چوہدری خلیق الزمان نے قراردادِ پاکستان کی تائید کی تھی۔

چوہدری خلیق الزماں پاکستان مسلم لیگ کے پہلے صدر منتخب ہوئے اور اسکے بعد مشرقی پاکستان کے گورنر بھی رہے۔ حاجی سجاد حسین ملاقات کرنے کراچی میں مسلم لیگ کے دفتر گئے۔ چوہدری خلیق الزمان انہماک سے ملے اور دریافت کیا کہ ''کیسے آنا ہوا'' اس وقت اکثر و بیشتر لوگ حکومت اور مسلم لیگ کے بااثر لوگوں کے پاس کوئی نہ کوئی حاجت لے کر آتے تھے۔

حاجی سید سجاد حسین نے چوہدری خلیق الزماں کا یہ کہنا کہ ''کیسے آنا ہوا'' اپنی عزتِ نفس اور خودداری کے خلاف سمجھا۔ پھر اسکے بعد دوبارہ اُنکے پاس نہیں گئے۔

نواب زادہ لیاقت علی خان کو تجویز

ایک اور قابل ذکر واقعہ نواب زادہ لیاقت علی خان کے ساتھ پیش آیا۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کیلئے سٹیلمنٹ

اور کلیمز کا شعبہ قائم ہوا۔ جس میں مہاجرین اپنی متروکہ جائیداد، زمین اور مکان وغیرہ کے کلیم داخل کر کے اسکے عوض پاکستان میں کسی تناسب سے زمین اور مکان حاصل کر سکتے تھے۔

حاجی سید سجاد حسین نے اپنی ایک ملاقات میں نواب زادہ لیاقت علی خان کو مشورہ دیا کہ یہ کلیمز کا سلسلہ بہت سی خرابیوں اور بدعنوانیوں کا سبب ہوگا۔ اس وقت جو لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آرہے ہیں انکے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ نہ تھا کہ پاکستان جا کر ان کو اپنی متروکہ جائیداد کے عوض زمین اور مکان اِلاٹ ہوں گے۔

بہتر یہ ہوگا کہ جو جس پیشہ اور ہنر کا آدمی ہے اسکو بلاتفریق کہ وہ ہندوستان میں کیا تھا۔ وسائل مہیا کریں تا کہ وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکے۔ اگر کوئی کاشت کار ہے تو اسے کچھ زمین دیں کہ وہ کاشت کاری شروع کر دے۔ اسی طرح مختلف پیشہ اور ہُنر کے لوگوں کو انکی صلاحیتوں کے مطابق ضروری وسائل مہیا کریں کہ وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکیں اور ملکی معیشت کیلیئے کام کریں۔ اس طرح ایک نئی قوم نئے جذبہ اور ولولے کے ساتھ اُبھرے گی۔

لیکن افسوس کہ انکی اس تجویز پر عمل نہیں ہوا۔ اور پاکستان بننے کے کئی دہائیوں تک لوگ سچے اور جھوٹے کلیمز کیلیئے سرکاری دفاتر، عدالتوں اور کچہریوں کے چکر لگاتے رہے۔ سرکاری ملازمین اور عوام میں بدعنوانیوں کا سلسلہ اس نوزائیدہ مملکت میں ابتدائی ایام سے ہی شروع ہوگیا۔

الیکشن میں حصّہ

آپ چونکہ ضلع فتح پور میں کافی مقبول تھے اس لئے آپ سے قربت رکھنے والے دوستوں نے صلاح دی کہ آپ یو۔پی۔لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں کھڑے ہوں چونکہ آپ مسلم لیگ میں شروع ہی سے تھے اور سیاست سے دلچسپی بھی رکھتے تھے۔لہٰذا آپ الیکشن لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور الیکشن کا کام ہونے لگا نامزدگی کا کاغذ ۴ نومبر ۱۹۵۱ء کو داخل کیا اور پھر کاغذ نامزدگی ۳۰ نومبر ۱۹۵۱ء کو واپس لے لیا کیونکہ مسلم لیگ نے ٹکٹ حسن احمد شاہ وکیل متوطن کانپور کو دیا تھا فتح پور آکر حسن احمد شاہ نے آپ سے ملاقات کی اور الیکشن میں ساتھ دینے کا وعدہ لیا چنانچہ الیکشن میں انہیں کامیابی ہوئی۔

الیکشن میں نامزدگی

یو۔پی۔زمیندار ایسوسی ایشن کے طرف سے کنور سر جگدیش پرشاد اور رانی پھول پور و دیگر پندرہ سولہ بڑے زمینداروں کے کہنے پر آپ یو پی لیجسلیٹو اسمبلی کی ممبر شپ کے لئے الیکشن میں کھڑے ہوئے الہ آباد ۱۴ اسبزی میں الیکشن آفس رکھا کام کرنے کیلئے حسب ضرورت افراد رکھے گئے اور الیکشن کا کام باقاعدگی سے شروع ہو گیا ۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے ۱۱۵ کتوبر ۱۹۴۸ء کو ان

پولنگ اسٹیشنوں پر ووٹنگ ہونا تھی الہ آباد۔ فتح پور۔ باندہ، جھانسی جالون، ہمیر پور، وغیرہ ان سب جگہ پر آپ کے پولنگ ایجنٹ موجود تھے آپ کے مقابلے میں کانگریس کے ٹکٹ پر مسعودی الزمان کھڑے ہوئے تھے چنانچہ الیکشن کے بعد ووٹ کا شمار ہوا تو خبر ملی کے آپ جیت گئے ہیں پھر معلوم ہوا کہ کامیاب نہیں ہوئے اپنی ڈائری میں خود لکھا تھا (لاسٹ ٹونٹی نائن ووٹس)

اس الیکشن میں کانگریسی لیڈر اور حکومت کے کارندوں نے بڑی دھاندلی اور ناجائز ووٹنگ کے ذرائع استعمال کئے زمیندار ایسوسی ایشن کے نمائندے کے پولنگ ایجنٹوں کے کسی اعتراض پر کوئی نوٹس نہیں لیا۔

حاجی صاحب اور پاکستان

جب ہندوستان کا بٹوارا ہو گیا اور دنیا کے نقشے پر پاکستان کا نام جگمگانے لگا تو ہندوستان میں دہلی، میرٹھ، علی گڑھ، اجمیر امرت سر وغیرہ میں غرض ہندوستان کے گوشے گوشے میں ہندو اور سکھوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا اسی طرح پنجاب، لاہور، کراچی، سندھ، سرحد میں بھی قتل وغارت گری اغواء کی وارداتیں ہوئیں دونوں جانب انسانیت نام کی چیز باقی نہ رہ گئی شقی القلبی کا وہ مظاہرہ ہوا کہ درندوں نے شرم سے گردنیں جھکالیں شیطان ان کی حرکتوں پر حیرت زدہ رہ گیا کشت وخون لوٹ مار کا یہ سیلاب قابو ہی میں نہ آ رہا تھا جب ذرا کچھ وقت گزرا اور حالات پر قابو پایا گیا تو

حاجی سید سجاد حسین صاحب دہلی گئے جہاں ان کا کاروباری دفتر تھا وہاں ان کا نقد روپیہ اور طلائی زیورات بھی تھے مگر یہ سب پاکستان پر قربان ہو چکا تھا اور سب کچھ لٹ چکا تھا کاروباری ساکھ بگڑ چکی تھی انگریز پہلے ہی اپنا بوریا بستر باندھ کر جا چکے تھے۔

جو کاروباری اور ٹھیکیداری کرنے والے مسلمان تھے جن کی بڑی بڑی جائیدادیں تھیں ان پر کانگریس حکومت کے دانت لگے ہوئے تھے ایسی صورت میں حاجی سید سجاد حسین صاحب نے پرمٹ پر پاکستان کا رُخ کیا پاکستان کا ہر شہر ٹھیکے کے سلسلے میں ان کا اچھی طرح سے دیکھا ہوا تھا۔ وہ کراچی تشریف لائے اور کوٹھی ۳۰۵ لارنس روڈ پر بدرالاسلام صاحب جو دہلی کے رؤسا اور بڑے ٹھیکے داروں میں تھے اور آنریری مجسٹریٹ تھے وہ اپنے ایک سکھ دوست کی مدد سے دہلی سے کسی نہ کسی طرح کراچی پہنچے بدالاسلام صاحب حاجی صاحب کے کرم فرماؤں میں تھے دونوں کوایک دوسرے سے بڑی تقویت ملی حافظ عبدالکریم عبدالمجید نامی جو دہلی میں فرم تھی وہ بدالاسلام صاحب ہی کی تھی جنرل مینیجر حاجی صاحب ہی تھے اور سیاہ سفید کے مالک تھے بدرالاسلام صاحب کو آپ پر پورا بھروسہ اور اعتبار تھا لیکن اس وقت تک بدرالاسلام صاحب کو ان کے داخل کردہ کلیم کا معاوضہ نہیں ملا تھا ادھر حاجی صاحب کے افراد خانہ کو گورنمنٹ ہر طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر ہراساں اور پریشان کر رہی تھی کہ آپ واپس ہندوستان پہنچ گئے ان پر الزام لگایا گیا کہ آپ غلط پرمٹ پر پاکستان گئے تھے فتح پور میں اس وقت زیدی صاحب کلکٹر تھے جنھوں نے پرمٹ کو

درست قرار دیا ادھر مسلمانوں کو ٹھیکے ملنے کم ہو گئے اور بعض کو بالکل نہیں ملے حاجی صاحب کو بھی کوئی ٹھیکہ نہیں ملا جہاں جہاں بینکوں میں ان کا اثاثہ تھا تا حکم ثانی منجمد کر دیا گیا اور پاکستان دوستی میں ان پر طرح طرح کے الزامات عائد ہونے لگے آپ لکھنؤ میں پنڈت ولبھ پنتھ سے جا کر ملے حاجی صاحب کے ساتھ اعجاز الحق صاحب سی آئی ڈی کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی تھے جن کا شاہپور میں سسرال تھا وہ حاجی صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے چنانچہ درپیش موجودہ صورت حال سے پنتھ جی کو آگاہ کیا گیا اس نے آپ کی فائل معائنہ کے لئے منگائی اور بتلایا آپ کے خلاف کوئی اہم بات نہیں ہے اس کے علاوہ آپ لیگ مائنڈڈ ہیں اور پاکستان سے آپ کی ہمدردیاں دانستہ ہیں کیا ایسا نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا اگر میں نہیں کہہ دوں تو کیا آپ اعتبار کر لیں گے۔

اس نے کہا اچھا میں احکامات جاری کر دوں گا آپ کو کوئی پریشان نہیں کرے گا آپ اسمبلی کے اجلاس میں بھی تو پبلک گیلری میں آیا کرتے تھے میں نے آپ کو دیکھا ہے دوسرے آپ کی ایک درخواست فتح پور الیکٹرک سپلائی کی بھی تو ہے کیا آپ وہی حاجی سید سجاد حسین صاحب ہیں آپ نے کہاں جی ہاں اس پر انہوں نے جواب دیا کہ پھر تو آپ بڑے دھنوان اور سجن منش ہیں ہم آپ کو کیوں جنم بھومی چھوڑنے کو کہیں گے۔ مگر لوہا تو آج کل کہیں دکھلائی نہیں پڑتا آپ کہاں سے لوہا لائیں گے آپ نے کہا آپ ہم کو اجازت تو دیجئے پھر دیکھ لیجئے گا۔

پاکستان کا دوسرا دورہ

آپ دوبارہ پاسپورٹ پر پاکستان گئے بدرالاسلام صاحب کو بھاول پور (چنی گوٹھ) میں کلیم کے سلسلے سے سیٹھ خوشی رام سیٹھ دھنی رام کی بڑی جننگ فیکٹری الاٹ ہوئی تھی اس کو چلانے کے لئے آپ نے حاجی صاحب کو بھیجا زنگ آلود مشینوں کی صفائی وغیرہ میں عرصہ لگ گیا کسی کام سے جارہے تھے گاڑی نئی تھی شاکر صاحب ڈرائیور تھے نہر کے پشتے پر گاڑی جارہی تھی کہ اچانک گاڑی سلپ ہوگئی اس حادثہ میں آپ کے شکم میں گاڑی کا گیئر لیور گھس گیا جس سے پیٹ کی کھال پھٹ گئی آنتیں اور چربی جزوی طور پر باہر نکل آئیں اور جسم کے مختلف حصوں پر زخم آئے جہاں یہ حادثہ پیش آیا تھا غیر آباد راستہ تھا آپ نے پہلے تو ایک کپڑے سے پیٹ کو کس کر باندھا زخموں سے حالت غیر ہورہی تھی کہ خدا کی مہربانی سے چند مزدور ادھر آ نکلے جن کی مدد سے الٹی ہوئی گاڑی سیدھی کی گئی جس میں کوئی خرابی واقع نہ ہوئی تھی چنانچہ شاکر ڈرائیور صاحب نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آپ کو بہاول پور وکٹوریہ اسپتال پہونچایا جہاں آپ داخل رہے اور باقاعدہ علاج ہوا آپ پاکستان سے اس طرح خط بھیجتے تھے کہ دوسرے تیسرے دن ہندوستان میں خط گھر والوں کو مل جاتے تھے لیکن جب دو ہفتے تک مسلسل کوئی خط آپ کا نہ پہنچا تو بڑی فکر ہوئی آپ نے تقریباً حادثے کے پندرہ یوم بعد اپنے بھائی جناب سید ابوسعید صاحب کو اسپتال سے خط لکھا جس میں حادثے کی مکمل تفصیل درج کی پھر دوسرا خط لکھا جس میں تحریر کیا تھا میں اچھا ہوں زخم

مندمل ہورہے ہیں دس پندرہ دن بعد اسپتال سے ڈسچارج ہوجاؤں گا۔

چنانچہ دوسرا خط پہلے مل گیا اس خط کے ملتے ہی گھر کے لوگ پریشان اور متفکر ہوئے یہ وجہ نہ معلوم تھی کہ زخمی کیسے ہوئے اس لئے طرح طرح کے خیالات آتے تھے برادرم حاجی سید عبدالماجد صاحب نے ان کے پاس پہنچنے کی ٹھان لی راقم الحروف کو ہمراہ لیا اور فتح پور جاکر پہلے کلکٹر صاحب سے این۔او۔سی لیا پھر فتح پور سے کان پور گئے وہاں حاجی سید فرید احمد قاسمی کے یہاں چند گھنٹے قیام کیا پھر دہلی کا قصد کیا لیکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں عبدالہادی سے ملاقات کرنی تھی کہ شاید ان کے پاس کوئی ایسا خط آیا ہو جس سے تفصیل معلوم ہوسکے چنانچہ علی گڑھ روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بدرالاسلام کے بھتیجے ظفر الاسلام جو مفتاح الاسلام کے لڑکے تھے پاکستان سے آئے ہیں اور اپنے سسرال میں ہیں چنانچہ ہم لوگ ان سے دریافت حال کے لئے ان کے پاس گئے حسن اتفاق سے وہ موجود تھے فوراً ملاقات ہوگئی اُنہوں نے سب حالات بتلائے اور کہا حاجی صاحب اب بالکل ٹھیک ہیں کسی قسم کی پریشانی یا خطرے والی بات نہیں ہے میری ذاتی رائے یہی ہے کہ آپ پاکستان نہ جائیں چنانچہ ہم لوگوں نے سفر کا ارادہ ملتوی کردیا اور واپس گھر آگئے یہاں تفصیلی خط پہنچ چکا تھا جس کو پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی تقریباً ایک ماہ بعد حاجی صاحب خود واپس وطن آگئے گاؤں کے سب ہی لوگ ان کو دیکھنے آگئے پیٹ پر کا زخم ابھی کچا تھا لوگوں نے کہا ابھی تو زخم باقی ہے اُنہوں نے جواب دیا زخم حسن نائی جس کو لوگ حسنوا کہتے تھے اس کے مرہم سے چند

دن میں ٹھیک ہو جائے گا اور واقعی ایسا ہی ہوا۔

ہندوستان چھوڑنے کا حکم

پاکستان سے واپس آئے آپ کو چند مہینے گزرے تھے کہ گورنمنٹ (بھارت) کی جانب سے ایک حکم نامہ ذریعہ رجسٹری پہنچا کہ جو اجازت آپ کو ہندوستان واپسی آنے کی دی گئی تھی وہ درست نہیں ہے۔

لہذا آپ اندر معیاد پندرہ یوم ہندوستان سے چلے جائیں بہر حال یہ ایک پریشانی کی بات تھی کیونکہ اس زمانے میں آپ کے مثانے میں پتھری تھی جس کا علاج ہو رہا تھا اس آرڈر کے وصول ہونے کے دس دن بعد آپ کانپور ہیلٹ ہسپتال میں پتھری کے آپریشن کے لئے داخل ہو گئے وہاں کنہیالال سول سرجن آپ کا دوست تھا۔ اسپتال سے آپ نے گورنمنٹ کو زیر علاج کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا پتھری کا آپریشن سول سرجن کنہیالال نے کیا جو کامیاب رہا پتھری دو انچ طویل اور نصف انچ عریض تھی ،ایک ماہ بعد آپ صحت یاب ہو کر گھر آ گئے اور اس حکم کے خلاف جو آپ کو ملا تھا مقدمہ قائم کر دیا جو ایک عرصہ تک چلتا رہا اور اس کا فیصلہ آپ کے حق میں ہوا۔

پاکستان ہجرت

شاہپور ضلع فتح پور ہسوہ۔یوپی (بھارت) یعنی اپنے مادر وطن سے پاکستان کے لئے ہجرت 1956ء میں سب سے پہلے اپنے پوتے عزیزی سید ساجد حسین کے ساتھ کی اسکے کچھ عرصہ بعد اہلیہ اور بچے آئے بڑے صاحب زادے ان کی بیگم اور بچے شاہپور میں رہ گئے انڈیا بارڈر پر آپ کی بیگم کے طلائی کڑے روک لئے گئے جو ۲۵ تولہ وزن کے تھے رسید مل گئی جو ہندوستان واپس گئے تھے آپ نے لائیل پور اسپنسر اینڈ کمپنی میں ملازمت کر لی تھی اور مینیجر کے عہدے پر فائز تھے رہنے کو بنگلہ تھا اور ضرورت کے مطابق ہر چیز تھی زندگی معمول کے مطابق بسر ہونے لگی رفتہ رفتہ ماجد میاں ان کی بیگم اور بچے بھی ہندوستان سے آگئے اور سب ایک ساتھ ہو گئے یوں تو ماجد میاں کے سب بچے عزیز تھے لیکن عزیزی سید ساجد حسین اور واحد حسین سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ساجد سلمہ ۱۰-۱۲ سال کے ہو چکے تھے ان کی تعلیم اور تربیت اپنی مرضی کے مطابق وہ کر رہے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساجد سلمہ نے انہی کی حیات میں بی ، فارمیسی پنجاب یونیورسٹی سے کر لیا تھا۔حاجی صاحب کی خواہش تھی کہ وہ میڈیکل کی تعلیم حاصل کریں لیکن نہ حاجی صاحب نے سفارش کی نہ سیٹ ملی، ۱۹۷۳ء میں حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا لیکن اولوالعزم پوتے نے یقیناً ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کا عہد کر رکھا تھا جو اس نے امریکہ جا کر شروع سے میڈیکل کا کورس کیا اور باقاعدہ M.D. کی ڈگری حاصل کر لی۔

سید ساجد حسین بن حاجی سید عبدالماجد صاحب نے میڈیکل کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی اب وہ امریکہ میں پریکٹس کرتے ہیں اور غیر ممالک میں امریکہ کی طرف سے بحیثیت ڈاکٹر میٹنگوں اور سیمیناروں میں نمائندگی کرتے ہیں مذہبی رجحان دادا کی طرف سے ملا ہے اس لیئے تبلیغ دین کے لئے دل وجان سے کوشش میں لگے رہتے ہیں الغرض بڑی معروف اور فعال زندگی بسر کر رہے ہیں اپنے والدین کے سعادت منداور اطاعت گزار فرزند ہیں ان کی محبت نے اپنے سب بھائیوں اور بہنوں کو امریکہ کھینچ بلایا ہے دُعا ہے کہ ان کے قدم ہمیشہ کامیابی کی جانب بڑھتے رہیں اور ان کے صاحبزادے سید حامد سجاد اپنے والد اور محترم دادا صاحب کی طرح نیک نام اور انہیں کے اوصاف کے حاصل ہوں، نور چشم عبدالقدیر کی جفاکشی اور محنت کی عادت سے حاجی صاحب بہت خوش رہتے تھے اور کہتے تھے ایک نہ ایک دن ترقی کر کے محنت کا پھل پائے گا۔ لائیل پور ہی کے زمانہ قیام میں بڑی بیٹی نفیس فاطمہ کی شادی سید آل مجتبیٰ نیازی بن حافظ مولانا عبدالقادر نیازی ہسوی کے چھوٹے صاحبزادے سے ہوئی اور ۱۶ ستمبر ۱۹۶۳ء میں انیس فاطمہ (انو) بلقیس فاطمہ علیٰ الترتیب سید مظہر الحق سید رحمٰن الحق سے منسوب ہوئیں جو سید السلام الحق صاحب کے صاحبزادے ہیں۔

صحافت

1922ء میں سجاد الیکٹرک پریس۔ سراج بلڈنگ کلکتہ سے روزنامہ اخبار ''انقلاب زمانہ'' اور ہفتہ وار ظریف اخبار ''نخ چوں چوں'' شائع کیا۔

1929ء الہ آباد سے روزنامہ اخبار ''خادم'' اور ہفتہ وار ''ترجمان'' اور ماہوار ادبی رسالہ ''اکبر'' شائع کیا۔

اُردو کی ترقی وحفاظت کیلئے حیدرآباد دکن میں عبدالحق اکیڈمی اور گشتی کتب خانہ کے قیام۔ تالیف وتصنیف کے کام میں معاونت کی۔

کلکتہ ہی کے قیام کے دوران ایک چلتا ہوا ہوٹل جو اچھی جگہ پر تھا اور مشہور بھی تھا سجاد حسین صاحب نے خریدا اور اس کو اپنے ایک بنگالی دوست بابو عبدالرحیم جو ان دنوں بیکار تھے ان کے سپرد کیا کہ وہ چلائیں۔ کیش پر منشی ابوظفر صاحب کو رکھا اور دوسرے چند اعزاء کو بھی کام پر لگا دیا ایک روز ہوٹل کا جائزہ لینے کے لئے پہنچے تو ایک میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گئے مقابل میں ایک صاحب سن رسیدہ تھے انتہائی متفکر انداز میں گم سم بیٹھے تھے آپ نے ان سے وجہ دریافت کی کہ آپ اتنے افسردہ کیوں ہیں اور جناب کا اسم شریف کیا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ نام تو محمد مبین ہے لیکن دنیائے صحافت اور خاص عام میں کیفی چڑیا کوٹی کے نام سے مشہور ہوں افسردگی کی وجہ یہ ہے کہ مولانا اکرم (ڈھاکہ والے) اپنا اخبار زمانہ بند کر رہے ہیں جو عوام میں مقبول بھی ہے اور کثیر الاشاعت بھی

،میں اُس کا چیف ایڈیٹر ہوں اخبار ہند ہونے پر میری ملازمت بھی ختم ہو جائے گی۔ لیکن زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ اتنے بڑے شہر میں کوئی ایسا نہیں مل رہا، جو اخبار خریدے۔

علامہ کیفی چریا کوٹی نے اپنے انداز گفتگو سے آپ کو اس درجہ متاثر کیا کہ مولانا اکرم (ڈھاکہ والے) کا اخبار زمانہ اور ہینڈ پریس آپ نے خرید لیا۔ اور کیفی صاحب بدستور چیف ایڈیٹر رہے تبدیلی صرف اتنی ہوئی کہ اخبار کا نام انقلاب زمانہ رکھا گیا۔ اور صفحات میں اضافہ ہو گیا۔ ہینڈ پریس کے بجائے ایک برقی پریس خریدا اور ''لوئر چیت پور روڈ'' سراج بلڈنگ میں نصب کرا کر اخبار کی اشاعت ہونے لگی۔

شاہ پور سے اصغر وارثی کو بلایا جنہیں اُردو اب سے لگاؤ تھا اور شاعر بھی تھے ''المست''، تخلص کرتے تھے ان کی زیر ادارت ایک اخبار ہفتہ وار ''چخ چوں چوں'' نکالا جس کا انداز مزاحیہ تھا۔ غالباً سجاد حسین اس کو اودھ پنچ کی طرز پر چلانا چاہتے رہے ہوں گے۔

انقلاب زمانہ اچھا چلا لیکن کیفی صاحب کے مزاج میں بھی یکسانیت نہ تھی اور لب ولہجہ کے اعتبار سے سجاد حسین صاحب کی تعریف وتوصیف اور قصیدہ خوانی میں رہا کرتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں آپ ان سے حساب کتاب کم لیا کرتے تھے۔ اخبار کو خسارہ ہوتا رہا پھر برقی پریس کو الہ آباد لائے اور شیو چرن داس روڈ پر ایک عالی شان عمارت کرایہ پر لی اور وہاں سے روزنامہ اخبار ''خادم'' ہفتہ وار ''ترجمان'' اور ماہنامہ

رسالہ اکبر (رسالہ اکبر میں اکبرالہٰ آبادی کا ایک خط ہر ماہ شائع ہوا کرتا تھا اور مزاحیہ اشعار بھی) اعظم کروی کے زیر ادارت شائع کیا اور چھپائی کا کام بھی پریس میں اجرت پر ہونے لگا۔ لیکن خسارہ کے علاوہ اور کچھ نہ ہاتھ آیا۔ سستے زمانہ میں ۴۰ ہزار کا نقصان ہو چکا تھا تو آپ کے دوست بابو عبدالرحیم نے اخبار اور رسالہ کی اشاعت بند کرا دی۔

سجاد حسین چونکہ کاروباری مشاغل کی بناء پر پوری توجہ اخبار اور رسالہ پر نہ دے سکتے تھے۔ اس لئے اس کو بند کرنا ہی مناسب سمجھا۔ لیکن پریس فروخت نہیں کیا بلکہ ''ادبی پریس لکھنؤ'' والوں کو جو آپ کے دوست تھے ان کی نگرانی میں دے دیا جو بہت عرصہ تک چلتا رہا۔

حج بیت اللہ

شروع شروع میں سجاد حسین صاحب کے طور طریقہ، وضع قطع اور پوشش مغربی طرز پر تھی۔ لیکن نماز روزہ کے پابند تھے۔ پھر طبعیت نے پلٹا کھایا کلین شیو کے بجائے داڑھی رکھ لی اور سوٹ، ٹائی وغیرہ ترک کر دیا۔ اور شیروانی پائجامہ، قمیض ترکی ٹوپی آپ کا پسندیدہ لباس تھا۔ چھڑی ہمیشہ ہاتھ میں رہتی تھی۔ آپ کی اسلامی وضع اور دینداری سے ہر انگریز متاثر ہوتا تھا اور عزت کرتا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں عین جوانی میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے مولانا افتخار الحق (قمری ہند) سے بیعت ہوئے اور ان

کے خلیفہ بھی ہوئے لیکن خود کسی کو مرید نہیں کیا۔

آپ نے سفرِ حج سے متعلق ایک روزنامچہ تاریخ وار دوران سفر مرتب فرمایا تھا اور روزانہ جو کچھ لکھتے تھے اس کی ایک کاپی ''ادبی پریس'' والوں کو پہنچا دیا کرتے تھے۔ جس کی کتابت پریس والے کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب واپس آئے تو پوری کتاب تیار تھی آخر کے چند صفحات لکھ کر دیئے جو چھاپ کر کتاب میں لگا دیئے گئے اس روزنامچہ کا نام ''سفرِ حجاز'' رکھا جس میں مقدس سفر کے حالات مناسک حج اور ضروری دُعائیں اور تمام احکامات درج ہیں یہ کتاب زائرین حرم کے لئے ہدایت نامہ یا معلم کی حیثیت رکھتی ہے۔ واپسی پر تحفے تحائف لائے تھے کل اخراجات سات سو کے اندر تھے۔ ''سفرِ حجاز'' بھی خوب تقسیم ہوئی لیکن اس وقت ہم لوگوں کے پاس اس کا ایک نسخہ بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اہلِ فتح پور، الہ آباد یا یو پی کے بعض لوگوں کے پاس ابھی یہ کتاب محفوظ ہو۔

اس کے علاوہ ''حقیقت بیعت پر ایک نظر''

نظر یے خوش گزرے

چند منتخب نعتیں سمت الراس۔ انسان اکمل

آپ کی تصانیف ترجمان میں یادامنِ بہار کلکتہ میں آپ کے بنائے ہوئے کارٹون اور مضامین اس کے علاوہ ہیں۔ ایک ضخیم دیوان قلمی نعت بھی آپ کی نعتوں کا مجموعہ تھا جو اشاعت کے لئے عزیزی حاجی سید عبدالماجد صاحب، خلف اکبر حاجی سید سجاد حسین

نے انجمن ترقی اُردو پریس حیدر آباد، دکن کو بھیجا تھا جو تقسیم ہند کے بعد پولیس ایکشن میں تلف ہو گیا۔

واقعی دلچسپ

ایک اخبار ہفت روزہ محض شاہ پور والوں کی دلچسپی کے لئے نکالا گیا۔ جس کے چیف ایڈیٹر سید محمد عادل صاحب جو بھوپال میں بعد کو .I.G پولیس ہوئے تھے سب ایڈیٹر خود حاجی سجاد حُسین تھے اس اخبار کیلئے قرب و جوار سے خبریں مہیا کی جاتی تھیں۔ بعض خبریں واقعی دلچسپ ہوتی تھیں۔

آپ کا کتب خانہ

آپ کی عادت تھی ہمیشہ کچھ نہ کچھ وقت مطالعہ میں ضرور صرف کرتے تھے نماز تہجد اور فجر کے بعد تلاوت کلام پاک اور ناشتہ سے فارغ ہو کر آئے ہوئے خطوط (ذاتی) کا جواب خود لکھتے اور کچھ دیر اُردو انگریزی اخبار پڑھتے پھر اپنا کام دیکھنے جاتے دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرتے اور لیٹے لیٹے اخبار پڑھتے یا پھر کوئی کتاب فارسی یا اُردو ورنہ انگریزی مطالعہ رہتی رات کو ۱۹۶۰ء کے بعد پڑھنا ترک کر دیا تھا معیاری کتب کا شوق تھا جس میں حدیث، فقہ، تفسیر اُردو فارسی شعراء کا کلام،

ڈرامے، ادب، ہندی ادب اور انگریزی کتابوں کی کافی تعداد تھیں قلمی کتابیں بھی کافی تھیں ان کا کتب خانہ ہر خاص و عام کے لئے کھلا رہا جس میں سے اکثر کتابیں اپنے اپنے ذوق کے مطابق لوگ لے گئے لیکن اُنہوں نے کبھی کسی سے باز پرس نہیں کی اُنہیں حافظ۔عرفی۔خیام۔غالب۔بہادر شاہ ظفر۔ذوق و مومن کے اشعار بے شمار یاد تھے اور مثنوی مولانا روم کے شیدائی تھے اُنہیں شاہ نامہ اسلام کی بھی بعض نظمیں بہت پسند تھیں۔

غرض تقسیم ہند کے بعد جہاں اور چیزوں کا زیاں ہوا وہیں لائبریری بھی ختم ہوگئی پھر بھی اس وقت کی نایاب کتابیں خاصی تعداد میں موجود ہیں جو عربی۔فارسی، اُردو، زبان سے تعلق رکھتی ہیں کتابوں کی جلدیں ان کا کاغذ اور حالت دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہیں کتابوں اور علمی مشاغل سے کس درجہ انسیت رہی ہوگی ان کی یہ تمام کتابیں ان کے صاحبزادے عبدالماجد صاحب نے بطور تبرک اپنے والد کی نشانی کے طور پر محفوظ کر لی ہیں۔لیکن مطالعہ کے لئے اہل ذوق کو عنایت کرتے ہیں۔

شاہ پور کے شعراء افسانہ نگار اور مورّخ

ذاکر علی ذاکر شاہپوری ۱۳۱۵ء ہجری میں آگرہ میں انتقال ہوا اور احاطہ منوہر داس میں مدفون ہوئے، اعظم شاہپوری، فاروق شاہپوری، اصغر وارثی المست، سجاد حسین سجاد، اختر تابان، اشرف ایرایانی، سالم محمودی معروف افسانہ نگار، اُمراؤ طارق،

منصور احمد منصور اور سید حشمت سُہیل نثر نگاری اور شاعری میں اپنا ایک خاص انداز رکھتے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''کرن کرن تبسم'' اور نثر نگاری ''یادوں کی کہکشاں'' حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔

آپکو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات سے حد درجہ محبت تھی۔ فنافی الرسول تھے۔ چونکہ اس وقت ان کا دیوان دستیاب نہیں ہے اس لئے قطعی طور پر کوئی رائے آپ کے کلام کے بارے میں نہیں دی جاسکتی البتہ یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا شمار نعت گو شعراء میں قطعی ممکن ہے۔

نمونہ کلام

سر عرش جلوہ نماں ہو وہ تم ہو
مکین ہو تو تم ہو مکاں ہو تو تم ہو

غرض ہر طرف ہیں تمہارے ہی جلوے
یہاں ہو تو تم ہو وہاں ہو تو تم ہو

کلام الٰہی ہوا تم پہ نازل
مجسم بمعنی قرآن ہو تو تم ہو

یا محمد تمہیں سب نور خدا کہتے ہیں
پر جو عاشق ہیں وہ کچھ اس سے سوا کہتے ہیں

نہ جنت کے پھولوں نہ کلیوں میں پایا
مزہ جونگہت مدینے کی گلیوں میں پایا

حلاوت عجیب پائی نام نبی میں
مزہ یہ نہ مصری کی ڈلیو میں پایا

تربت شبیؑ پہ کیا چیز چڑھاؤں سجاد
ہائے دوایک بھی کلیاں میرے دامن میں نہیں

ادھر غش میں موسیٰ زمین پر پڑے ہیں
ادھر عرش پر جلوہ گر ہیں محمد

ثمر ہیں حسن اور حسین اس کے دونوں
علی شاخ ہیں اور شجر ہیں محمد

ہیں محشر میں سجاد سب سے اُولجھتے
کدھر ہیں کدھر ہیں کدھر ہیں ہمارے محمد

اے صلی اعلیٰ نور خداشانِ محمد
آگے ہے بہت عرش سے ایوانِ محمد

نہیں دیکھا ہو جس نے گھر خدا کا
مدینہ دیکھ آئے مصطفیٰ کا

ایک عظیم وقدیم تہذیبی گہوارہ

(فتح پور ہسوہ)

مصنف

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ستارۂ امتیاز

ڈاکٹر فرمان فتحپوری حاجی صاحب کے بھانجے تھے۔ اُنھوں نے اُردو ادب میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی اور 20 سے 25 تحقیقی وادبی تنقیدی کتب کے مصنف اور رسالہ نگار پاکستان کے مدیر اعلیٰ تھے۔ ادبی حلقوں میں اپنے لئے ایک بڑی جگہ بنائی اور ستارۂ امتیاز کا خطاب حاصل کیا۔ اُردو لغت بورڈ پاکستان کے معتمد خصوصی اور کراچی یونیورسٹی میں شعبہ اُردو کے صدر رہ چکے تھے۔

حاجی سید سجاد حسین کے بارے میں درج ذیل خیالات اُنکی کتاب ''ایک عظیم وقدیم تہذیبی گہوارہ (فتح پور ہسوہ)'' سے ماخوذ ہیں۔

حاجی سید سجاد حسین

سجاد حسین ولد اولاد حسین موضع شاہ پور تحصیل کھاگا کے رہنے والے تھے ۱۹۴۰ء تا ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ان کا شمار فتح پور کی نامور شخصیات میں ہوتا تھا، رسمی تعلیم زیادہ نہ تھی لیکن غیر رسمی کے ذریعے اُنھوں نے اُردو، فارسی کے ساتھ انگریزی میں مہارت حاصل کر لی تھی اور لکھنے پڑھنے اور بولنے میں رواں تھے۔ نہایت وجیہ وشکیل اور بلند قامت و باریش بزرگ تھے، عزیزوں اور دوستوں میں یکساں مقبول تھے۔ اللہ نے اُن کو دولت دی تھی اور اس دولت کا بہت سا حصہ وہ خوش دلی کے ساتھ رفاہی کاموں میں خرچ کرتے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ فتح پور کی ترقی سے بھی انھیں خاص دلچسپی تھی اور اُنھوں نے ''سجاد ہال'' کے نام سے ایک بڑے کمرے کا بھی مدرسے میں اضافہ کیا تھا۔ تحریک پاکستان میں وہ فتح پور کی دوسری نامور شخصیتوں کی طرح مسلم لیگ ہی سے وابستہ رہے اور لیگ کے جلسوں کے اہتمام پر بے دریغ پیسہ صرف کیا۔ شاہ پور میں نئے طرز کی ایک بڑی کوٹھی موجود تھی لیکن شہر میں قیام کی خاطر اُنھوں نے شہر کے اندر محلّہ خیلدار میں بھی ایک بڑا مکان خرید لیا تھا جہاں ملنے والوں کا ہر وقت دربار لگا رہتا تھا۔ مگر سیاسی میدان میں وہ نو وارد تھے اور سیاسی داؤ پیچ سے واقف نہ تھے۔ اسی لیے شہر میں جن سیاسی لیڈروں نے قدم جما رکھا تھا اُنھوں نے سجاد حسین صاحب سے فائدہ اُٹھایا لیکن لیگ میں کوئی مناسب جگہ نہ دی گئی۔

حاجی سجاد حسین میرے سوتیلے ماموں تھے۔ وہ اس طرح کہ میرے والد کی پہلی شادی اُن کی بہن تنویر النساء سے ہوئی تھی وہ بغیر اولاد کے اچانک وفات پا گئیں تو دوسری شادی میری والدہ سے ہوئی لیکن سجاد صاحب نے مجھے میری والدہ اور میرے بھائی، بہنوں کو اس طرح اپنی شفقت سے نوازا کہ حقیقی ماموں بھی ان کے آگے بھول

گئے۔ افسوس یہ ہوتا ہے کہ حاجی سجاد حسین صاحب کو قوم نے ان کی خدمات کا وہ صلہ نہ دیا جس کے وہ مستحق تھے، قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان آ گئے اور بڑی ہمت سے زندگی بسر کی عسرت میں بھی کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا بلکہ جو بھی اثاثہ تھا اسے بھی فروخت کر کے عزیزوں اور دوستوں کی مدد کرتے رہے۔

تاریخ شاہ پور
(موضع شاہ پور ضلع فتح پور)

یو۔پی۔انڈیا

مصنفہ

مخدوم زادہ الحاج سید محمد سالم محمودی نقوی بخاری

شاہ پوری ۱۹۸۸ء

حاجی سید سجاد حسین: یہ مولوی اولاد حسین صاحب کے تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے یہ کافی ذہین اور باہمت آدمی تھے انہوں نے اپنے والد کے مرنے کے بعد اپنی محنت اور جانفشانی سے کافی ترقی کی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ صوم وصلوٰۃ کے پابند رہے۔ کلکتے کے ایک بہت بڑے بزرگ مولانا

افتخار احمد صاحب سے بیعت تھے جو بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مبلغ بھی تھے۔ حاجی صاحب دوسرے بزرگوں کی صحبت میں بھی کافی رہے اور ان سے فیضیاب ہوئے اپنے پیر کے خلیفہ مجاز بھی تھے لیکن انہوں نے کوئی سلسلہ پیری مریدی کا قائم نہیں کیا یہ کچھ دن مولانا شاہ نیاز احمد صاحب فیض آبادی کے پاس رہے اور جو درخواستیں ان کے یہاں حاجت مند پیش کرتے تھے ان کے جوابات حاجی سجاد حسین لکھتے تھے۔

انہوں نے شروع میں بزنس بھی کیا اخبار بھی نکالا پریس بھی قائم کیا اور سب سے بعد میں بدر الاسلام صاحب دہلی کے ساتھ مل کر ملٹری کی ٹھیکیداری شروع کی اور جنگ عظیم دوئم کے دوران ان کا کام کافی بڑھ گیا لہذا چھوٹے موٹے ٹھیکے انہوں نے خود حافظ عبد القادر صاحب ایرایاں سادات، ابوظفر صاحب پسر محمد اسمٰعیل صاحب شاہ پور اسلام الحق صاحب پسر سراج الحق صاحب ایرایاں اور محمد زبیر صاحب پسر واصل الدین شاہ پور وغیرہ کو دیئے جس سے ان لوگوں نے کافی کمایا۔

سجاد حسین صاحب نے اس سلسلے میں کافی پیسہ پیدا کیا اور بعد میں انہوں نے شاہ پور اور دیگر مواضعات میں زمینداری کی خرید کی اور اتنے بڑے زمیندار بن گئے کہ قرب و جوار میں ان کی ٹکر کا کوئی زمیندار نہ تھا۔ ان کی توجہ اور کوشش سے کھاگا نوبستہ روڈ پختہ بنی۔ شاہ پور کی بڑی مسجد کی انہوں نے کافی

خدمت کی ۔ جھاڑ فانوس ، ہانڈیاں ، لالٹینیں ، جاء نمازیں ، شامیانہ وغیرہ مہیا کیئے ۔ رمضان شریف میں مسجد میں چراغاں کراتے تھے ۔ جمعہ کے دن مسجد میں اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ مسجد کے باہر چٹائیاں بچھا کر لوگ نماز ادا کرتے تھے یہ دیکھ کر حاجی سجاد حسین صاحب نے اپنی جیب خاص سے رقم خرچ کر کے مسجد کی مغربی دیوار کو توڑ کر ایک اور حصے کا اضافہ کیا۔ جس میں دو بڑی صفتیں آ جاتی تھیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ مسجد کے اندر سائے میں آرام سے نماز ادا کرنے لگے۔

انہوں نے شاہ پور میں سالانہ فٹ بال ٹورنامنٹ اور اسپورٹس کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ اُسمیں دوڑ، لانگ جمپ، ہائی جمپ، ہاکی، فٹ بال، والی بال نیز شطرنج، بیت بازی کیرم وغیرہ کے مقابلے ہوتے تھے قرب و جوار نیز فتح پور، کانپور اور الہ آباد سے بھی ٹیمیں آتی تھیں کپ تمغہ جات نیز دیگر قسم کے تحفہ جات بطور انعام دیئے جاتے تھے ۔ غرضیکہ یہ بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے اور ان کی وجہ سے بڑی چہل پہل رہتی تھی ۔ ہر نیک کام میں آگے رہتے تھے اس کے ساتھ ہی بڑے کنبہ پرور تھے ان کے پاس کار ٹرک، یکہ، بیل گاڑی، غرضیکہ ہر قسم کی سواری موجود تھی اور لوگوں کو آنے جانے میں سہولت فراہم کرتے تھے ۔ بڑے حکام رس تھے بڑے بڑے لوگ شاہ پوران کے یہاں آتے رہتے تھے اور دعوتیں وغیرہ ہوتی رہتی تھیں ۔ گویا کہ یہ قریب قریب تمام ہندوستان میں بڑے مشہور و معروف تھے ۔ ضرورت مندوں کی بہت اعانت کرتے تھے ان کے مرنے کے بعد

ان کے لاکھوں روپے لوگوں کے اوپر قرض ہیں جو ان لوگوں نے باوجود صاحبِ حیثیت ہونے کے ادا نہیں کئے اور اس پر طُرفہ یہ کہ حاجی سجاد حسین صاحب نے کبھی تقاضا نہیں کیا اس قسم کی ہستیاں کم ہی پیدا ہوتی ہیں

''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''

بہر حال ان کے کارنامے اور خدمات اور انسانی ہمدردیاں اتنی ہیں کہ ضبط تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔ خدا ان کو ان تمام نیک اعمال کا صلہ عنایت فرمائے۔آمین۔ثم آمین۔

ہندوستان کو آزادی ملنے کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا نے زمینداری ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ اس طرح ان کی ساری جائیداد ختم ہوگئی کئی سال تک معاوضہ کے بانڈز کے انتظار میں رہے مگر بانڈز بھی مکمل طور پر نہ مل سکے نتیجہ یہ ہوا کہ چار وناچار پاکستان آنا پڑا اور یہاں راولپنڈی، لاہور وغیرہ جن مقامات پر ان کو بڑے بڑے ٹھیکے ملتے تھے وہ سب ہاتھ سے نکل گئے۔کوئی سلسلہ آئندہ ٹھیکیداری کا نہ بن سکا۔ مجبوراً بدرالاسلام صاحب نے فیصل آباد میں اسپنر کولڈ اسٹوریج میں بطور مینیجر مامور کردیا جس کے وہ ڈائریکٹر تھے۔

اگر یہ سانحہ کسی اور کے ساتھ پیش آتا تو اس کا اسی وقت ہارٹ فیل ہوجاتا مگر وہ بڑے صبر، وہمت کے پیکر تھے اور ان کے چہرے پر شکن تک نہیں آئی اور مردانہ وار اس پریشانی کا مقابلہ کیا پھر بیمار پڑ گئے۔

اور اپنی جگہ اپنے بیٹے سید عبد الماجد کو ملازم رکھوا کر خود سبکدوش ہو کر کراچی میں قیام پذیر ہو گئے ان کا کراچی میں انتقال ہو گیا یہیں مدفون ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (علی میاں) کا شمار علم وفراست اور دانشوری میں نہ صرف ہندو پاکستان بلکہ عالم اسلام کے صفِ اوّل کے علماء اور رہنماؤں میں ہوتا ہے۔

علی میاں بہت سی اسلامی اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں اور ندوۃ العلوم لکھنؤ کے ریکٹر (Rector) تھے۔ اسکے علاوہ آپ اتحاد عالم اسلام کے علم بردار تھے اور اسکے لئے بہت کام کیا۔ شاہ فیصل (شہید) انکی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ حاجی سید سجاد حسین کا علی میاں کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ علی میاں رائے بریلی سے تھے جو کہ شاہ پور سے تقریباً 30 میل کے فاصلہ پر ہے۔ 1950ء میں میرے والد حاجی سید عبد الماجد حج بیت اللہ کیلئے گئے تو اس وقت انکا علی میاں کا ساتھ تھا۔ اور علی میاں بحری جہاز کے امیر الحج تھے۔

1958ء میں علی میاں فیصل آباد (لائل پور) تشریف لائے اور حاجی سید سجاد حسین سے ملاقات کی۔ اسی تعلق سے جب وہ 1977ء میں امریکہ تشریف لائے اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر شوکت یوسف خان۔ ماہر امراض چشم سے مشورہ کیلئے

بالٹی مورآئے۔تو مجھے اُنکی مہمان نوزی کا شرف حاصل ہوا۔ جوکہ میرے لیئے باعثِ عزو افتخار ہے۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی کے سفرامریکہ کی روودادانکے رفیقِ سفرمحمد رابع حسنی ندوی (آج کل ندوۃ العلوم لکھنؤ کے ریکٹر (Rector) نے "دو مہینے امریکہ میں" کتابی شکل میں 1978ء میں دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے شائع کی۔

سید فضل حسین صاحب

جس زمانے میں حاجی سید سجاد حسین ضلع فتحپور میں تحریکِ پاکستان کیلیۓ مسلم لیگ میں سرگرم تھے۔ حیدرآباد دکن میں شاہ پور کے ایک اور فرزند سید فضل حسین ایڈووکیٹ ہائی کورٹ کو قائداعظم محمد علی جناح اور قائدِ ملت بہادر یار جنگ نے حیدر آباد دکن اورورنگل میں مسلم لیگ اور مجلسِ اتحادالمسلمین کی قیادت کیلیۓ منتخب کیا۔

سید فضل حسین صاحب نہایت قابل۔ اوالوالعزم اور ہر دل عزیز شخصیت کے حامل تھے۔علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباءتحریک پاکستان میں پیش پیش تھے۔سید فضل حسین علی گڑھ یونیورسٹی اسٹوڈنٹ یونین کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے اور طلباء کی ان تحریکات میں نمایاں حصہ لیا۔علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی کی اسناد اوّل درجوں میں حاصل کی پھر حیدرآباد دکن اورورنگل میں وکالت شروع کی۔ اور بہت جلد نہ صرف حیدرآباد کے نامور وکیل بن گئے۔ بلکہ حیدرآباد کی نامور

شخصیتوں میں ان کا شمار ہونے لگا۔

۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء میں تحریک آزادیِ ہند اور ہندو مسلم سیاسی تفاوت عروج پر تھی۔ مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس کے لیڈر اپنا اپنا سیاسی نکتۂ نظر اور ایجنڈا لوگوں تک پہنچانے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے تھے۔ حیدرآباد کے سیاسی افق پر بھی ہندو مسلم سیاست کے بادل گہرے ہو رہے تھے۔ مسلم لیگ کی قیادت کیلئے قائداعظم محمد علی جناح اور قائدِ ملت بہادر یار جنگ نے سید فضل حسین کو منتخب کیا۔ سید فضل حسین صاحب اپنی خداداد قائدانہ صلاحیت۔ قانونی بصیرت۔ سیاسی مہارت اور ہر دل عزیز شخصیت ہونے کی وجہ سے بہت جلد حیدرآباد دکن کے سیاسی افق پر قائدِ ملت بہادر یار جنگ کے شانہ بشانہ چلنے لگے۔ لیکن قدرت نے انہیں زیادہ مہلت نہیں دی۔ اپنے عزیز دوست و قائد ملت کے غیر متوقع انتقال کے چھ ماہ بعد ہی اچانک بیمار ہوئے اور ۴۴ سال کی عمر میں دائمی اجل کو لبیک کہا۔ اس طرح مسلمانانِ حیدرآباد۔ مسلم لیگ اور مجلس اتحادالمسلمین ان دو بڑے لیڈروں کی قائدانہ صلاحیتوں سے محروم ہوگئی۔ حاجی سید سجاد حسین صاحب نے اِن کی وفات کو یوپی کے مسلمانوں کا ایک عظیم نقصان قرار دیا۔

سوانح حیات

پیدائش نام اور وطن

آپ کا سن پیدائش 1893ء ہے اسم گرامی سید سجاد حسین وطن ملک ہندوستان شاہ پور ضلع فتح پور ہسوہ یو پی انڈیا ہے۔تاریخ شاہ پور اور شجرہ سادات شاہ پور سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کے اس کو شاہ معروف نے 982ء میں آباد کیا تھا شاہ محمد معروف مضافات ملتان (اُوچ شریف) کے باشندے تھے اپنے ذاتی علم و بزرگی کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے تھے اکبر اعظم نے ان سے عقیدت رکھنے کے سبب ایک طویل و عریض آراضی مرحمت فرمائی تھی۔جسکو شاہ معروف نے آباد کر کے ''شاہ پور'' نام رکھا اور یہ بستی تقریباً ساڑھے چار سو برس تک خوب سرسبز و شاداب آباد رہی شاہ معروف کی آراضی ان کی نسل میں خاتمہ زمینداری سے قبل بطور ترکہ ان کی اولادوں میں تقسیم ہوتی رہی انکی اولاد کے علاوہ خاتمہ زمینداری تک شاہ پور کے خانہ ملکیت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو سکا تھوک عبداللہ میاں اور تھوک فتح اللہ میاں اسی تقسیم کے دو حصے ہیں عبداللہ میاں کا مزار بڑے دروازے حاتم علی اور محمد اسماعیل صاحب کے مکان کے درمیان ہے اور فتح اللہ میاں کا مزار رام رتن بقال کے مکان سے آگے جو املی کے درخت ہیں اس سے متصل ہے۔شاہ معروف کا مزار ایرایان میں ننکا اور رستم فقیر کے گھر کے پاس ہے شاہ پور سے متعلق تمام ضروری باتیں ''شجرہ سادات شاہ پور'' میں مندرج ہیں یہ آخری ایڈیشن بھی وطن کی محبت میں حاجی سیّد سجاد حسین صاحب نے طبع کرایا تھا اور سیّد محمد فاروق شاہپوری سے جو ایک اچھے ادیب، شاعر اور بلند پایہ نقاد

بھی تھے فرمائش کر کے توضیحات کے زیر عنوان ''شاہ پور اور اہل شاپور'' سے متعلق مضمون لکھوایا تھا جس سے شاہ پور اور شاہپور کے بزرگوں اور اسکی خصوصیات جاء وقوع وغیرہ کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

افسوس کے تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں نے ہجرت کی اور شاہپور اب وہ شاہ پور نہ رہ گیا جو چند خاندان بچے تھے انھوں نے بھی دوسرے دیہاتوں اور شہروں میں بود و باش اختیار کر لی مومن برادری کے لوگ اہل ہند میں گھل ملکر گزر اوقات کر رہے ہیں۔

رسم بسمہ اللہ

حاجی صاحب کے والد ماجد جناب مولوی سیّد اولاد حسین صاحب سرکاری اسکول میں مدرس تھے انھوں نے آپکی رسم بسمہ اللہ خود ادا کی تھی ایک چوکی پر جاء نماز بچھادی گئی تھی اور ایک مٹی کی رکابی میں بتاشے تھے وہی تقسیم کر دیئے گئے تھے۔

داغ یتیمی

آپ نے اپنے والد صاحب سے صرف بغدادی قاعدہ ہی پڑھا تھا کہ ایک روز عصر کی نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں آپ کے والد صاحب کی روح قفس

عنصری سے پرواز کرگئی اور آپ والد کے سایہ رحمت سے محروم ہو گئے مرحوم نے اپنے پیچھے بیوہ امید النساء بیٹوں میں علی الترتیب صفدر حسین، ابوسعید اور سجاد حسین لڑکیوں میں آباد النساء زوجہ عاشق علی ساکن ہیبت پور، ریاض النساء زوجہ عبدالواسع ساکن ہیبت پور منیر النساء زوجہ محمد فاضل ساکن ایرایان کو یادگار چھوڑا، اس طرح چھ بچوں کا بوجھ اچانک بیوہ جان پر آن پڑا کچھ تو گھر کی زمینداری اور کچھ بیوہ کے بھائی حاجی سید مہر علی و داروغہ سید سراج الحق صاحبان حسب توفیق ماہ بہ ماہ بہن کی مدد کرتے جس سے خرچ اخراجات کا سلسلہ کچھ مشکل اور کچھ آسانی کے مابین اس وقت تک چلتا رہا جب تک صفدر حسین صاحب برسر کار نہ ہو گئے۔

پہلا سفر اور تعلیمی دور

تقریباً ۷ سال کی عمر میں آپ نے پہلا سفر کیا اور اپنے ماموں مہر علی کے ساتھ لکھنو گئے اور حسین آباد ٹرسٹ اسکول میں داخل ہوئے جہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ کارپنٹری کا کام بھی سیکھتے رہے اس اسکول میں تقریباً تین سال تعلیم حاصل کیا پھر وہاں سے آگرہ تشریف لے گئے اپنے حقیقی بھائی صفدر حسین صاحب کے پاس مقیم ہوئے آپ کے بھائی پولیس میں ملازم تھے اپنی صفات کے وجہ سے پبلک میں مشہور تھے انہوں نے آپ کو گلاب گھوسی کی مسجد میں جو ایک دینی درسگاہ تھی تعلیم کے لئے داخل کر دیا۔

سچ پوچھو تو آپ کو تعلیم کے وہ مواقع میسر ہی نہ آسکے جو کسی بچے کو اپنے والدین کے زیر سایہ میسر آتے ہیں۔ پھر بھی تعلیم کا شوق تھا محنت اور توجہ سے پڑھائی شروع کی آپ کے قابل تذکرہ استادوں میں مولانا ابوالعلائی اور مولانا ابوالمولائی سر فہرست ہیں تھوڑے عرصہ میں اُردو، عربی اور فارسی وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں کابل کے حکمران امیر حبیب اللہ خان ہندوستان تشریف لائے اور آگرہ میں جمعہ کی نماز کی امامت فرمائی دوسرے دن دینی درس گاہ کا معائنہ کیا۔

طالب علموں سے سوالات بھی کیے سجاد حسین صاحب کے جوابات سن کر بہت مسرور ہوئے اور ''آفرین آفرین'' کہتے رہے اپنے جیب سے لگا ہوا چاندی کا قلم نکالا اور انعام میں مرحمت فرمایا وظیفہ بھی مقرر کیا مکتب سے جو وقت بچتا اس میں داروغہ کنور ادریس سے انگریزی پڑھتے جب انگریزی میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ لکھ پڑھ سکیں تو آگرہ کینٹ کے اسٹیشن ماسٹر بینی پرشاد جو کہ صفدر حسین کے اچھے دوستوں میں سے تھے ان سے ٹیلیگراف اور ریلوے آفس کا کام بھی سیکھنا شروع کر دیا دو تین سال کے عرصہ میں پتہ نہیں کیسی سخت اور جانفشانی سے کام سیکھا کہ اکثر بینی پرشاد دو چار گھنٹے اپنی ڈیوٹی انہیں کے سپرد کر دیتا آخر کار امتحان میں شرکت کی اور کامیاب ہوئے۔

آغاز ملازمت

پرول اسٹیشن پر اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کی حیثیت سے تقرر ہو گیا اس اسٹیشن پر ایک تاج محمد نامی گورنمنٹ کنٹریکٹر اپنے کاروباری سلسلے میں آیا جایا کرتے تھے۔ یہ صاحب پشاوری پٹھان تھے اور ہندوستان میں بہت سے شہروں میں ان کے بڑے بڑے ٹھیکے تھے چنانچہ وہ اکثر آپ کو مشورہ دیتے تھے کہ تجارت کا پیشہ اختیار کریں اس میں ترقی کے امکانات زیادہ ہیں۔ آخر آپ نے ایک روز ان سے اپنی مجبوریوں کا ذکر کیا جس پر تاج محمد صاحب نے اپنے یہاں جگہ دینے کا وعدہ کر لیا اور آپ نے ریلوے کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور تاج محمد کے یہاں کام پر لگ گئے انہوں نے اپنے یہاں ان کو مختلف شعبوں میں کام پر لگایا کچھ عرصہ بیکری میں رہے تھوڑی مدت درزی خانہ میں کام کیا گوروں کو چائے اور مشروبات پہنچاتے رہے غرض سخت سے سخت کام سے بھی ہمت نہ ہاری اور جو کام سونپا جاتا دیانت داری و محنت سے انجام دیتے رہے ایک دن شاہ پور سے ان کی والدہ نے خط بھیجا جس پر پتہ میں سید سجاد حسین لکھا تھا یہ خط تاج محمد کو ملا غالبًا اس کو اُنہوں نے پڑھا ہوگا، خط لے کر سیدھے سجاد صاحب کے پاس گئے اور کہا ''سجاد'' آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتلایا تھا کہ آپ ''سید'' خاندان کے فرد ہیں۔

بہر حال میں بہت شرمندہ ہوں جو آپ سے اس قسم کے کام لے رہا ہوں مگر اس میں بھی میری نیک نیتی کو دخل تھا۔

اور چاہتا تھا کہ آپ سے اتنی محنت کراؤں تا کہ آپ ہمارے پاس سے ہوکر جب نکلیں تو کہیں اور محنت مشقت کرنے سے نہ ہاریں۔ خیر آج سے آپ دفتر کا کام دیکھیے اور ان کو اسی وقت اپنے دفتر میں لے جا کر کام سپرد کر دیا۔

حسن اتفاق ایک روز ضروری چٹھی ''میجر کنگ'' کو انہیں خود پہنچانا تھی لیکن دفتر سے باہر ہی ایک سنتری نے یہ کہہ کر روک دیا کہ پہلے اپنے جوتے اتار دو پھر اندر جاؤ اور ساتھ ہی ساتھ کچھ سخت الفاظ بھی کہہ دیئے ایسا اتفاق چونکہ ان کو کبھی پیش ہی نہ آیا تھا اس لئے دل پر اثر ہوا اور کچھ آزردہ سے ہوئے چٹھی بغیر دیئے ہوئے واپس آ گئے دوسرے دن تاج محمد جب دفتر آئے تو ان کو خلاف معمول افسردہ دیکھ کر وجہ دریافت کی آپ نے آبدیدہ ہو کر کل کا واقعہ سنایا۔

تاج محمد پشاوری یہ سب سن کر برافروختہ ہو گیا اور اسی وقت ''میجر کنگ'' کے دفتر آپ کو ساتھ لئے ہوئے پہونچا اور کہا ہم پٹھان لوگ سیدوں کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں ان پر اپنی جان قربان کرنے میں بھی ہمیں دریغ نہیں ہوتا۔

یہ نوجوان سید گھرانے کا ہے اور یتیم ہے اس کے ساتھ کل آپ کے اردلی نے یہ اہانت آمیز رویہ اختیار کیا ہے جس سے اس کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے اور ہمارے دل کو اتنی تکلیف پہنچی کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ اپنے تمام ٹھیکے ختم کر دوں، میجر کنگ نے یہ سب سن کر تاج محمد اور سجاد صاحب کو ساتھ لیا دفتر سے باہر آ کر بگل بجوایا تمام گورے حاضر ہوئے اور سجاد صاحب سے کہا آپ شناخت کریں چنانچہ اُنہوں نے شناخت

کرلیا اس گورے کو قانون کے مطابق سزا دی اور دوسرے دن ایک گشتی مراسلہ نکالا اور نوٹس بورڈ پر حکم نامہ چسپاں کرایا کہ کسی شخص کو بہ جبر تعظیم کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔ اس واقعہ سے سجاد صاحب کی خودداری اور خاندانی وجاہت کی شہرت ہوئی اور بہت سے گورنمنٹ کنٹریکٹر آپ سے ملاقات کی غرض سے آئے اور تجارتی حلقوں میں آپ وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے بلکہ بعض ٹھیکیداروں نے اپنے یہاں کام کرنے کی پیش کش بھی کی۔

میجر کنگ کا ہمدردانہ رویہ

میجر کنگ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آپ پر خاصہ مہربان ہوگیا اور ایک دن کہا اگر آپ کو ہمارے عملے کے کسی فرد یا تاج محمد کنٹریکٹر کے کسی ورکر سے آپ کو کوئی تکلیف یا شکایت ہو تو آپ بلا جھجک مجھ سے کہا کریں اور اگر فوج میں ملازمت پسند کریں تو میں آپ کو ''سیکنڈ لفٹیننٹ'' کے عہدے سے بھرتی کرا سکتا ہوں۔ آپ نے جواباً عرض کیا کہ آپ کی عنایات کا شکر گزار ہوں میرا ارادہ اب تجارت کا ہے اور تاج محمد یا ان کے کسی فرد سے مجھے نہ تکلیف ہے نہ شکایت بلکہ تاج محمد کو میں اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ میجر کنگ نے انگریزی تعلیم کی کمی خود پوری کرائی اور آپ کے لئے انگلش کی کتابیں انگلینڈ سے منگا کر آپ کو پڑھاتا رہا انگریزی زبان پر قدرت اور تحریر و تقریر میں مہارت میجر کنگ کے شفقت کا نتیجہ تھی اور کنٹریکٹروں کی فہرست میں جب آپ کا

نام شامل کیا گیا تو بھی میجر کنگ ہی نے آپ کی پرزور شفارش کی تھی۔

تاج محمد کا حسن سلوک

تاج محمد کا شمار کروڑ پتی لوگوں میں ہوتا تھا اور ان کے ٹھیکے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ہوتے تھے چھوٹے ٹھیکیداران کو کمیشن دے کر کام لے لیا کرتے تھے۔

تاج محمد کو سجاد حسین صاحب کے حالات کم وبیش معلوم ہی ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے آپ کی تنخواہ سو روپے ماہوار مقرر کی لیکن بتلایا پچاس ہی روپیہ چنانچہ ہر مہینے پچاس روپے اپنے پاس جمع کرتے رہے اتوار کو چھٹی دیتے تھے اور تفریح کے لئے گاڑی بھی اور صرفہ کے لئے ایک گنی اتوار کو لیکن وہ گنی اپنے ہی پاس جمع رکھتے تھے اور اس کا علم سجاد حسین صاحب کو نہ تھا ہر عید اور عید الضحیٰ کے موقع پر ایک ریشمی شلوار اور کرتہ و ریشمی صافہ معہ زرتار کلاہ کے سچے کام کے جوتے بھی ہوتے تھے چنانچہ مسلسل تین سال تک آپ نے وہاں کام کیا جب ٹھیکے کی مدت ختم ہوئی تو تاج محمد صاحب نے جمع شدہ تنخواہ کی رقم اور گنیاں کچھ اپنے پاس سے رقم ملا کر دیا جو سستے زمانہ میں معقول سرمایہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سے نہ صرف آپ کی مالی پریشانیاں دور ہوئیں بلکہ سخت محنت اور جدوجہد کرنے کی راہیں برابر کھلتی رہیں جس سے بہت جلد آپ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے گورنمنٹ کنٹریکٹرز کے حلقوں میں بھی اثر و رسوخ خاصہ بڑھ

گیا تھا اور انگریز افسران سے جان پہچان اچھی ہوگئی تھی اس لئے اب آپ کو کام کی مشکل نہ رہ گئی تھی۔

شادی خانہ آبادی

آپ کی والدہ محترمہ نے اپنے چھوٹے بھائی داروغہ سراج الحق صاحب کی صاحبزادی سفر النساء بیگم سے بچپن ہی میں شادی طے کردی تھی۔لہٰذا ۱۹۱۲ء میں آپ کی شادی ہوئی آپ کی بیگم صورت اور سیرت دونوں میں قابل مثال تھیں نہ صرف یہ کہ شوہر پرست تھیں بلکہ خاندان کے ہر فرد کا بے حد خیال رکھتی تھیں یہ بھی حسن اتفاق کہ اہلیہ کا مزاج اور اطوار و عادات، اخلاق، غربا پروری اور سخاوت و ہمدردی، ملنساری و دکھ درد میں دوسروں کے کام آنے کی صلاحیت اپنے شوہر کی طرح تھی یہی وجہ تھی کہ میاں بیوی میں انتہائی الفت تھی واقعی میں یہ دونوں ایک دوسرے کے شریک حیات کہلانے کے مستحق تھے۔جب تک وہ زندہ رہیں کبھی دونوں میں نام کو بھی کسی بات پر اختلاف نہ ہوا۔

یہ ضرور تھا کہ ان کی تعلیم کلام پاک اور معمولی اُردو تک محدود تھی لیکن زمانہ کے تقاضوں کو سمجھتی تھیں۔اور اپنی اولاد کے لئے چاہتی تھیں کہ زیور تعلیم سے آراستہ ہوں اسی خیال سے شہر فتح پور میں مستقل طور پر قیام کیا اور عبد الماجد وعبد الہادی کا نام مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں درج کرایا راقم الحروف کو بھی ایرایان سے فتح پور بلا کر اسی

اسکول میں داخل کرادیا روزآنہ اسکول میں کام کی تفصیل پوچھتی تھیں۔ نماز کی تاکید کرتی تھیں رات کو نصیحت آمیز کہانیاں سناتیں اور سونے سے قبل کلمے ہم تینوں سے سنا کرتی تھیں ان کی موت نے ان کے تعلیمی منصوبے کو تکمیل تک نہ پہونچنے دیا۔

انکی صحت ٹھیک نہ رہتی تھی ان کے علاج پر روپیہ پانی کی طرح باوفا شوہر بہارہے تھے علاج ہی کے سلسلے سے کسی نے مشورہ دیا کہ کانپور میں ایک مشہور ڈاکٹر ہے اس کو دکھلایا جائے چنانچہ پیشکار روڈ پر خان قدرت اللہ دیوانہ بریلوی کا مکان کرایہ پر لیا اور فتح پور سے راقم الحروف کی والدہ منیر النساء، حیات فاطمہ زوجہ مشتاق حسن اور سجاد حسین کے ہمراہ کانپور گئے اور علاج شروع ہوا۔ فتح پور میں سراج الحق صاحب اور والدہ سجاد حسین ایک باورچی لال محمد اور ہم تینوں طالب علم رہ گئے۔

روزانہ خط سے خیریت مل جاتی یہ معلوم ہوا کہ علاج سے کافی افاقہ ہے۔

عبدالہادی سخت مرض پیچش میں مبتلا تھے ڈاکٹروں نے دہی چاول کے علاوہ سب کچھ غذا میں منع کردیا تھا ایک دن کھانے کی ضد بے انتہا کی شام کا وقت تھا باورچی کھانا تیار کر چکا تھا حاجی سجاد حسین صاحب کان پور سے تشریف لائے ہم لوگ خوش ہو کر ان سے لپٹ گئے عبدالہادی چونکہ لاغر ہوگئے تھے اس لئے باپ نے خود ہی بڑھ کر ان کو اپنی آغوش میں لے لیا اور پیار کرتے رہے۔

سجاد صاحب کی والدہ نے اپنی بہو کے صحت و علاج سے متعلق حالات دریافت کئے سب خوشی خوشی بتلاتے رہے اور کہا طبعیت بالکل ٹھیک ہے اسی لئے آج

آ گیا ہوں کہ آپ سب سے ملاقات ہو جائے ہادی کی وجہ سے ''وہ'' ذرا بے چین تھیں
اللہ نے چاہا تو جلد آ جائیں گی آج رات رک کر کل کان پور چلا جاؤں گا مغرب کی نماز
کے بعد کھانا نکل کر آیا ہم سب لوگ کھانے پر بیٹھے ہادی کے لئے دہی چاول تھے دہی
چاول دیکھ کر ہادی مچل گئے باپ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر روتے ہوئے بولے بابو ہم
کو گوشت روٹی پلاؤ نہ دو ہم کو نمک مرچ اور جو کی روٹی تو دلوا دو یہ لوگ ہم کو نہیں دیتے۔

یہ جملہ کچھ ایسے حسرت اور بے بسی کے انداز سے اُنہوں نے کہا تھا کہ سب
لوگ مغموم ہو گئے اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا کھانے سے فراغت پاتے ہی سجاد
حسین صاحب نے کان پور جانے کے لئے کہا ان کی والدہ نے روکنا چاہا اور کہا کہ تم تو
رات بھر کے لئے آئے تھے؟ یکبارگی یہ روانگی کیسی مگر وہ کان پور چلے گئے اس روز ہم
تینوں (اشرف، ماجد، ہادی) بات بے بات روتے رہے اور گھر کی فضا یکبارگی مغموم
سی ہو گئی رات کے آخری حصّے میں جب ہم لوگ رونے کی آواز سن کر اُٹھے تو دیکھا کہ
سجاد حسین صاحب اپنی والدہ کے قدموں سے لپٹ کر زار و قطار رو رہے ہیں اور
باورچی جلدی جلدی سب سامان ایک کمرے میں رکھ کر مقفل کر رہا ہے۔ پھر تنہا سجاد
حسین صاحب قریبی مسجد میں گئے جہاں اُن کے ماموں سراج الحق صاحب جو ان
کے خسر بھی تھے تہجد ادا کرنے گئے تھے ان کو خبر دی ہم لوگوں کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ اس
آہ و بکا کا کیا سبب ہے جب باورچی نے بتلایا کہ (بی بی) سفر النساء کا انتقال ہو گیا
ہے تو ہم سب (بابو) سجاد حسین صاحب سے لپٹ کر رونے لگے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ہم لوگوں نے بابو کو روتے ہوئے دیکھا تھا غرض الٹے سیدھے اسباب رکھ کر ہم سب لوگ اس موٹر میں جس پر ان کا جسدِ خاکی کان پور سے آیا تھا، سوار ہو کر شاہ پور کے لیئے روانہ ہوئے کوئی ایک گھنٹہ بلکہ اس سے بھی کم میں کھاگا پہنچ گئے بارش کا زمانہ تھا اس وقت کھاگا نوبستہ روڈ پختہ نہیں ہوئی تھی اور ''پتار'' کا دو فرلانگ کا راستہ بارش میں اتنا خراب ہو جاتا تھا ہزاروں کوس سفر میں مسافر اتنا پریشان نہ ہوتا تھا جتنا کہ دو فرلانگ میں چنانچہ اس پتار میں لاری پھنس گئی بہتیرا کوشش کی گئی لیکن پہیے دلدل میں ناچ کر رہ جاتے تھے۔ راہ چلنے والوں سے مدد مانگی گ ء جو کان پور اور فتح پور کے لئے پسنجر ٹرین پکڑنے جارہے تھے بعض سنی ان سنی کر دیتے بعض رحمدل لاری کو نکلوانے میں مدد دیتے لیکن گاڑی کیچڑ سے نہ نکل سکی۔

چنانچہ ایرایان اور شاہ پور سفر النساء بیگم کے انتقال کی خبر بھیجی گئی دونوں جگہ سے آدمی کافی آ گئے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ پورا شاہ پور ٹوٹ پڑا جسد خاکی ایک چارپائی پر رکھا گیا اور اسی کی ڈولی بنا کر روتے ہوئے کہاروں نے اُٹھایا ہم سب پیدل شاہ پور روانہ ہوئے اور ۲ گھنٹہ بعد مکان پہنچے۔

وہاں کہرام مچ گیا غرض بعد ظہر تجہیز و تکفین عمل میں آئی ۲۴ جمادالثانی ۱۳۵۷ بمطابق ۲۱ اگست ۱۹۳۸ء کو سفر النساء بیگم نے حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرمایا۔ اور سید عبدالماجد و سید عبدالہادی بطور یادگار چھوڑ گئیں۔

سفر النساء نام کی وجہ

سجاد حسین صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگ اپنے ماموں سراج الحق و مہر علی صاحب کے گھر گئے ہوئے تھے بارش اس دن بے انتہا ہو رہی تھی۔ چنانچہ پکوان پکا تھا اور ہمارے بہنوئی عاشق علی صاحب ہیبت پور سے تشریف لائے تھے اس دن سراج الحق ماموں کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی اور صفر کا مہینہ تھا چنانچہ عاشق علی صاحب نے فرمایا چونکہ یہ بچی صفر کے مہینہ میں تولد ہوئی ہے لہٰذا اس کا نام ''سفر النساء'' رکھا جائے۔ اور میری خوشی یہ ہے کہ میرے چھوٹے سالے سجاد حسین سے اس کی نسبت آج ہی طے کر دی جائے۔ چنانچہ گھر کے افراد نے ان کی تجویز کو بخوشی منظور کیا۔ ویسے ان کا دوسرا نام آمنہ خاتون تھا۔ لیکن سفر النساء ہی مشہور ہوا۔ اس نام کا اثر کچھ ایسا ان کی زندگی پر پڑا کہ وہ سجاد حسین صاحب کے کاروباری مصروفیت کی بناء پر اکثر سفر ہی میں رہیں اور ہندوستان کے کونے کونے میں رہائش رہی فتح پور کا قیام اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ بچوں کی تعلیم کی غرض سے وہ فتح پور مستقل رہنا چاہتی تھیں لیکن جلد ہی انتقال ہو گیا۔ اور سید عبد الماجد و سید عبد الہادی کو بطور یادگار چھوڑ گییں۔

راولپنڈی میں قیام

سفر النساء بیگم کے سوئم کے بعد ماجد میاں اور ہادی سلمہ کو ہمراہ لیکر سجاد حسین صاحب راولپنڈی چلے گئے اس زمانہ میں ان کا کام وہیں تھا۔ اہلیہ کے انتقال کا ان

کے دل پر بہت اثر تھا۔ دن کاروباری مصروفیات میں گزر جاتا تھا۔ شب کا کچھ حصہ اپنے بچوں سے گفتگو میں گزارتے اس کے بعد یاد ماضی میں کھو جاتے اسی دوران ان کی ایک نظم اہلیہ کے مفارقت میں دلچسپ اخبار میں شائع ہوئی۔

منشی ابوظفر صاحب جو آپ کے جگری دوست تھے اور خزانچی بھی تھے انہی کی تحریک پر سراج الحق صاحب کی چھوٹی صاحب زادی ''کنیز فاطمہ'' کے لئے بات چیت کی۔ راولپنڈی سے سجاد حسین صاحب وطن آئے تو ۳ جنوری ۱۹۳۹ بروز جمعہ کنیز فاطمہ سے آپ کا نکاح ہوا اور گیارہ ہزار روپیہ مہر مقرر ہوا حافظ محمد رفیع صاحب نے رسالدار فرزند علی کی مسجد میں بعد عصر نکاح پڑھایا۔ کنیز فاطمہ سفر النساء کی سوتیلی بہن ہیں۔ لیکن سگی سے بڑھ کر ان کے بچوں کے لئے مشفق ثابت ہوئیں۔ کنیز فاطمہ سے دو لڑکے اور آٹھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی بچپن میں فوت ہو گئے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ایک لڑکا مشرف حسین بخاری اور ۷ لڑکیاں موجود ہیں چھ لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے۔

بڑی لڑکی نفیس فاطمہ، زوجہ سید آل مجتبیٰ نیازی بن مولانا عبدالقادر ہسوی،

انیس فاطمہ زوجہ مظہر الحق بن اسلام الحق،

بلقیس فاطمہ زوجہ رحمٰن الحق بن اسلام الحق

صغرا بی بی (چاند) زوجہ شفیع الحق بن رضی الحق بلندوی

کلثوم بیگم زوجہ حسین محمود بن حسن محمود

نور بی بی عرف بڑی بی بی

حور بی بی عرف چھوٹی بی بی زوجہ طاہر علی نعمانی

مشرف حسین بخاری کی شادی حکیم سید محمد اسحاق عرف نواب میاں کی صاحبزادی عابدہ خاتون سے ہوئی۔

عبدالحکیم کے ساتھ کام

عبدالحکیم کلکتہ میں ٹھیکے داری کرتے تھے انہوں نے آپ کو اپنے یہاں کام کرنے کو بلایا۔ تاکہ دفتر کا کام انگریز افسران سے ملاقات اور کاروباری معاملات طے کیا کریں۔ تنخواہ کے علاوہ سفر خرچ اور خورد ونوش اور رہائش کا انتظام بھی ٹھیکے دار کی جانب سے تھا۔ کام اچھا چل نکلا لیکن کچھ عرصہ بعد عبدالحکیم کے داماد سجاد حسین جن کا نام تھا اور انگریزی میں گریجویٹ تھے سوٹ بوٹ میں ملبوس رہا کرتے تھے۔۔۔منہ میں پائپ یا سگار لگائے رکھتے تھے۔ اپنے خُسر عبدالحکیم کو مشورہ دیا کہ آپ سجاد حسین کو جو تنخواہ دیتے ہیں وہ مفت کی دیتے ہیں۔ یہ کام تو میں خود اچھی طرح سنبھال سکتا ہوں۔

چنانچہ خسر اور داماد میں صلاح ہوئی کہ سجاد حسین کو ابھی چند دن ملازمت سے علیحدہ نہ کیا جائے بلکہ جب انگریز افسران سے ربط پیدا ہو جائے تو ان کو ہٹا دیں گے۔ اس کی خبر کسی نہ کسی طرح آپ کو ہوگئی لیکن آپ خاموش رہے آخر ایک دن

عبدالحکیم صاحب نے آپ سے کہا ''سید صاحب'' آپ پر کام کا بار بہت ہوتا ہے۔ اور آج کل سجاد (داماد) آیا ہوا ہے۔ گھر پر پڑے پڑے اس کا دل گھبراتا ہے۔ اگر تمہاری رائے ہو تو میں جانوروں کی پاسنگ وغیرہ اور آفسران سے ملنے جلنے کا کام اس کے سپرد کردوں خاصا پڑھا لکھا ہے۔ سجاد حسین صاحب نے جواب دیا یہ تو آپ کی مجھ پر مہربانی ہوگی۔ غرض دوسرے دن جانوروں کے معائنہ کے لئے انگریز آفسر جب آیا اور دیکھا کہ سجاد حسین صاحب کی جگہ دوسرا شخص ہے تو اس کا مزاج مکدّر رہوا۔ اس نے قاعدہ کے مطابق جانوروں میں دانہ اور چارہ پورا پورا تقسیم کرایا۔ اور کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ جانوروں نے جتنا کھانا تھا کھایا بقیہ برباد کردیا۔ اس کے بعد جانور معائنہ کے لئے قطار میں باندھے گئے اور عبدالحکیم صاحب کے داماد پاسنگ کرانے کے لئے ساتھ ساتھ تھے۔ انگریز افسر نے ایک مویشی بھی پاس نہ کیا اور خفگی کا اظہار کیا۔

عبدالحکیم کے داماد ذرا تیز مزاج تھے انہوں نے کہیں کہہ دیا کہ کل تک یہی جانور آپ پاس کرتے تھے اور اتنا چارہ وغیرہ بھی نہ ڈلواتے تھے آج آپ نے ہمارا بڑا نقصان کردیا۔ یہ سن کر آفیسر برہم ہوگیا اور جو منہ میں آیا عبدالحکیم کے داماد کو بکتا رہا بلکہ ان سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔

اب سوال پیدا ہوا کہ مویشی پاس نہیں ہوئے فوجیوں کے لئے گوشت اگر آج سپلائی بھی ہوگیا تو کل کہاں سے ہوگا۔ غرض عبدالحکیم نے آکر سجاد حسین صاحب سے کہا ''سید صاحب'' بھائی تم کام سنبھال لو میرے داماد کے بس کا نہیں معلوم ہوتا ہے

۔گورا بہت برہم ہے ایک جانور بھی پاس نہیں کیا۔ بوریوں چنا اور بھوسہ برباد ہو گیا۔ کم از کم پانچسو کا نقصان تو اسی وقت ہو گیا۔ سجاد حسین صاحب اسی وقت گئے اور تمام جانور سپلائی کے لئے پاس کرائے گورے نے عبدالحکیم سے کہا مسٹر سجاد کو کام پر سے نہ ہٹانا اور اس کی شکل ہم دیکھنا نہیں چاہتے جو آج مسٹر سجاد کی جگہ کام پر آیا تھا۔

گائے کا مشہور قصّہ

۱۹۲۰ء کلکتہ میں گورا پلٹن اور کالی پلٹن کو گائے کا گوشت سپلائی کرنے کا ٹھیکہ بھی عبدالحکیم صاحب کا تھا۔ لیکن سب کام سجاد حسین صاحب ہی کے سپرد تھا۔ اور وہ ہر طرح سے بااختیار تھے ایک دن گائے ذبح کرتے وقت ایسا ہوا کہ انگریز سارجنٹ ابھی نیا تھا اور اتفاق سے قصاب بھی نیا تھا اس نے یہ غلطی کی کہ جو گائے سب سے آگے بندھی ہوئی تھی اس کو ذبح کرنے کے لئے گرایا۔۔ جو مذبح خانہ کے لوگ وہاں پر کھڑے تھے اُنہوں نے یہ بیک وقت قصاب سے کہا آگے سے نہیں پیچھے سے گائے ذبح کرنے کا کام شروع کرو۔ قصاب کچھ گھبرا سا گیا اتنے میں گائے زور سے بولی جو لوگ کھڑے تھے اُنہوں نے کہا چھوڑ دو اس خیال سے کہ جو گائے سب سے پیچھے بندھی ہوئی ہے اس سے کام شروع کیا جائے۔

سارجنٹ نے دریافت کیا کیا بات ہے

سجاد حسین صاحب کے منہ سے نکل گیا ''گائے بولی'' ہے

کیا بولی ہے سارجنٹ نے پوچھا

سجاد حسین صاحب نے ازراہ مذاق فرمایا کہتی ہے مجھے چھوڑ دو۔

سارجنٹ نے حکم دیا اس کو ذبح نہ کیا جائے چنانچہ وہ قطار سے نکال لی گئی

بقیہ پاس شدہ جانور ذبح کر دیئے گئے۔

رات کو کھانے پر سارجنٹ نے اپنی میم سے یہ واقعہ بتلایا اس نے بے حد تعجب کا اظہار کیا اور گائے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی یہ گفتگو بٹلر نے سنی جب سب لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو گئے تو ملازمین بنگلے کے باہر گپ شپ لگانے اور بیڑی سگریٹ پینے بیٹھے بٹلر نے جو گائے کا قصہ سنا تھا ملازمین سے بتلا رہا تھا اتفاق سے اخباری رپورٹر کے کانوں میں یہ بات پڑی جو وہاں پر موجود تھا۔ اس نے اس خبر کو اخبار میں چھاپ دیا۔ جو دوسرے دن صبح ہی صبح اخبار میں آ گئی اور کلکتہ میں ایک ہلچل مچ گئی۔ وہاں کے ہندوؤں نے فوراً میٹنگ کی اور وفد کی شکل میں سجاد حسین کے پاس پہنچے کہ اس گائے کو ذبح نہ کیا جائے۔ بلکہ ہمارے سپرد کیا جائے۔ آپ نے ان لوگوں کو اطمینان دلا کر اس وقت مطمئین کر دیا۔ اور دوسرے دن ملاقات کا وقت دے دیا بوچری پہنچ کر ملازمین کو معاملے کی نوعیت اور ہندوؤں کے ارادے سے خبردار کیا۔ اور کہا اب خواہ کچھ ہو سب یہی کہنا کہ ''گائے بولی'' تھی کہ مجھے چھوڑ دو ادھر فورٹ ولیم قلعہ جس میں گورا فوج تھی اس کو اطلاع دی کہ ہماری حفاظت کے لئے انتظام کیا جائے۔

ادھر بوچری کے چاروں طرف ہندو جمع ہونے شروع ہوئے مسلمانوں کا بھی مجمع لگ گیا اور فساد کی نوبت آنے والی تھی کہ گورا فوج اور پولیس کی لاریاں آ گئیں ۔اور کوئی ناخوش گوار بات نہ ہوئی۔لیکن مارواڑی ہندو اس بات پر مصر رہے کہ ہم کو اس وقت اطمینان ہوگا کہ جب تک اس گائے کا فیصلہ حکومت نہ کرے اس وقت تک گائے بوچری کے اندر پھاٹک پر باندھی جائے جس سے ہم لوگ اس کے درشن کر سکیں۔ یہ معاملہ کچھ اتنی شدّت پکڑ گیا کہ اس میں گورنمنٹ کو مداخلت کرنی پڑی کلکتہ کے تجارت پیشہ ہندوؤں نے گورنر اور وائسرائے کو ٹیلیگرام دیکر مداخلت کی اپیل کی۔

عوام میں الگ ہیجان تھا انگریز گورنر اور کمشنر نے ہندوؤں کے وفد کو بلایا اور سجاد حسین صاحب کو اپنی تجویز پیش کی کہ یا تو آپ گائے فروخت کر دیں یا پھر ذبح نہ کریں۔فروخت کے معنی یہ تھے کہ مارواڑی ہندوؤں کے سپرد کر دیں۔سجاد حسین صاحب نے جب قیمت معلوم کی کہ کتنی دے سکتے ہیں تو دس ہزار سے شروع ہو کر ایک لاکھ تک نوبت جا پہنچی۔

سجاد حسین نے کمشنر سے کہا یہ گائے قیمت دیکر ہم نے خریدی ہے اور یہ مال ہمارا ہے قانون کے مطابق ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم اس کو فروخت کریں یا کسی دوسرے مصرف میں لائیں۔لیکن آپ کو ہم یہ یقین دلاتے ہیں کہ گائے کو محض اس لئے ذبح نہ کریں گے کہ ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ ہو۔اور ہندو مسلم اتحاد رہے۔ فرقہ وارانہ فساد نہ ہو۔ چنانچہ متعلقہ افسران نے ہندوؤں کو اطمینان دلا کر سجاد حسین

صاحب کوایک دن کی مہلت دے دی۔

دوسرے دن بوچری کے اردگرد فوج اور پولیس کثرت سے لگی ہوئی تھی عوام یعنی ہندواور مسلمانوں کا سیلاب گائے دیکھنےاور فیصلہ سننے کے لئے بے قرار تھا۔

سجاد حسین صاحب وقت مقررہ پر آئے ہندو مارواڑیوں کو یہ پختہ یقین تھا کہ گائے جس کی قیمت مشکل سے چندروپیہ ہے ایک لاکھ میں آسانی سے مل جائے گی۔ اور عبدالحکیم ٹھیکیدار بھی یہی چاہتے تھے کہ قیمت لے لی جائے۔لیکن سجاد حسین صاحب کا منشاء کچھ اور تھا جو چند لمحوں بعد سامنے آ گیا۔

وہ بوچری کے اندر گئے اور گائے کی زنجیر پکڑے ہوئے چرواہا ساتھ ساتھ معہ گائے کے باہر آیا۔سجاد حسین نے کہا چونکہ اس گائے کی وجہ سے فساد کا اندیشہ ہے مسلمان چاہتے ہیں ہم اپنے پاس رکھیں۔اور ہندو چاہتے ہیں کہ ہم اس کو ایک لاکھ روپے میں خرید لیں یہ ضرور ہے کہ مارواڑی تجارت پیشہ حضرات کے مقابلہ میں ہم دولت میں کم ہیں لیکن لالچی نہیں ہیں للہذا یہ گائے نہ ذبح ہوگی نہ فروخت ہوگی۔

بلکہ اس گائے کو میں اپنے ایک پارسی دوست مسٹر جے۔ایف۔مدّن کو بطور تحفہ نذر کرتا ہوں اُمید کرتا ہوں کہ کوئی فرقہ ورانہ فساد برپا نہ ہوگا۔

اس فیصلہ کو سب نے منظور کیا اور ہر طبقہ نے تعریف کی جے۔ایف۔مدن بھی رائیل آرمی سپلائی کور میں مشہور ٹھیکے دار تھے ان کے پاس خالص گھی۔پیٹرول اور شراب کے بڑے بڑے ٹھیکے تھے اس کے علاوہ الفنسٹن اور الفریڈ

(Elphinstone and Alfred) نامی مشہور و معروف تھیٹر کمپنی کے مالک بھی تھے آغا حشر ڈرامہ نویس انہیں کی کمپنی میں اس وقت ملازم تھے۔ گائے کو J.F. Madan نے اپنے یہاں رکھا جس کے لئے روزانہ مٹھائی اور طرح طرح کے پھل ہندو لاتے تھے اور اسکی پوجا کرتے تھے۔

اس واقعہ کی خبر کلکتہ کے انگریزی اخبار میں شائع ہوئی اُردو اخباروں نے بھی خبریں شائع کیں لکھنؤ سے منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ نے سجاد حسین صاحب کو کلکتہ خط لکھ کر گائے کا واقعہ دریافت کیا چنانچہ سجاد حسین صاحب نے ان کے خط کے جواب میں ایک شعر لکھ کر بھیج دیا۔

لوگ کہتے ہیں گائے بولی ہے
کیا بتاؤں کہ معاملہ کیا ہے

چنانچہ اسی وزن اور بحر میں سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ کی نظم شائع ہوئی جس کا آخری شعر غالباً غالب مرحوم کا کچھ ردو بدل سے درج کیا تھا جو گائے کی زبانی تھا۔

میں بھی منہ میں زبان رکھتی ہوں
کاش پوچھو کے مُدعا کیا ہے

تعمیراتِ مزار

تعمیرات مزار کے سلسلے میں جن خاندانوں کے بزرگوں کی قبریں منہدم ہوگئی تھیں اور اس کے نگران توجہ نہ دیتے تھے اُنہیں اس طرف مائل کیا گیا کہ وہ اس کی درستگی اور دیکھ بھال کرائیں شیخ طیب بابا کے مزار کا احاطہ تعمیر کیا گیا اور ایک آہنی پھاٹک لگایا گیا انہی کے قبر کا کتبہ کہا جاتا ہے کہ قدرتی طور پر آمد ہوا تھا جو نصب کرادیا گیا جس پر کچھ عبارت کندہ ہے لیکن پڑھنے میں نہیں آتی اندازہ ہوتا ہے کہ رسم الخط عربی ہے اس کے علاوہ شاہ معروف کے مزار پر چبوترہ تعمیر کیا گیا اور مزار پختہ کرایا گیا شاکر علی صاحب جمعدار کے قبرستان کو انصاری برادری کے لوگ اپنے مصرف میں لارہے تھے جن کو روکا گیا اور جمعدار صاحب نے خود اس کی حد بندی کرا کر محفوظ کر دیا۔ غرض کچھ نہ ہونے کے باوجود بھی کافی کام ہو گیا کچھ عرصہ ہوا سید منہاج الحق شاہ شہیدی بن سید حسام الحق ایرایانی نے شاہ معروف کا مزار پختہ بنوادیا اور پاکستان سے سنگ مرمر کا کتبہ تیار کرا کے نصب کرایا۔

کھاگانوبستہ روڈ کی تعمیر

قصبہ شاہ پور اور اسکے اردگرد کے قصبات اور مضافات کا قریب ترین ریلوے اسٹیشن کھاگا ہے۔ لیکن ان تمام قصبات سے کھاگا پہنچنے کیلئے صرف ایک کچی سڑک تھی۔ جو کہ بارشوں کے دنوں میں بہت دشوار گزار تھی۔ اور اس علاقے کے لوگوں کیلئے بہت بڑا مسئلہ تھا۔ سیاسی جماعتیں بھی اس مسئلہ پر مقامی لوگوں کے ووٹ

حاصل کرنے کیلئے وعدہ کر رہی تھیں کہ اگر ان کے نمائندے الیکشن میں جیت گئے تو کھا گا نوبستہ روڈ پختہ ہو جائے گی۔ حاجی سید سجاد حسین اس وقت مسلم لیگ کے ایک فعال اور سرگرم رکن تھے انکی مساعی مسلسل اور معاونت سے کھا گا سے نوبستہ تک تقریباً 8 میل لمبی پختہ سڑک بنی۔ جس سے اس علاقے کے عوام کو بہت سہولت حاصل ہوئی اور ایک دیرینہ مسئلہ حل ہو گیا۔

گھر میں چوری

حاجی سید سجاد حسین صاحب کی کی والدہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر پہلے چائے پیا کرتی تھیں چنانچہ ایک روز نماز پڑھ کر جب چائے لینے کے لئے کوٹھری کھولنا چاہی تو پتہ چلا کہ اندر سے کنڈی بند ہے وہ پریشان ہوئیں اور اپنے بھائی مہر علی کو آواز دے کر صورت حال سے آگاہ کیا وہ کوٹھے پر گئے دیکھا تو نقب لگی ہوئی ہے اور بہت سا سامان بکھرا ہوا ہے چشم زدن میں خبر گاؤں بھر میں پھیل گئی اور لوگ جمع ہو گئے پنڈت شیو بھوکن نے نقب سے اتر کے دروازے کی کنڈی کھولی محمد زبیر صاحب جو شاہ پور میں مکھیا تھے اُنہوں نے چوری شدہ مال کی فہرست مرتب کر کے کرم تھانہ ہتگام کے انچارج کو مطلع کر دیا گھر کی عورتیں کسی تقریب میں گئی ہوئیں تھیں واپس آ کر سب نے اپنے زیورات رات کو ایک ہی جگہ رکھ دیا وہ بھی چلے گئے۔

سجاد حسین صاحب الہ آباد میں بسلسلہ علاجِ اہلیہ تھے۔ اطلاع ملنے پر فوراً آئے ان کی والدہ اور گھر کی عورتیں رونے دھونے لگیں۔

لیکن اُنہوں نے زیادہ اثر چوری کا نہیں لیا تھا تھانہ دار صاحب چند سپاہی اور تھانیدار کا ایک دوست تیسرے دن تحقیقات کے لئے آئے۔

تھانہ دار پنڈت سنتوش کمار فتح پور بھر میں رشوت خوری جرائم کرانے میں اور حصہ لینے میں مشہور تھا گورا چٹا لمبا تڑنگا اور خوبصورت جوان تھا ہر شخص پر اپنا رعب باتوں باتوں میں جما لیتا تھا سجاد حسین صاحب کی داڑھی وغیرہ سے اندازہ لگایا ہوگا کہ مولانا ہی ہیں چنانچہ اپنے ساتھی سے انگریزی میں کہا ان صاحب کی حیثیت اتنی معلوم نہیں ہوتی۔ جتنی مالیت کی چوری لکھائی گئی ہے رپورٹ فرضی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر حاجی صاحب نے گھر کے کسی فرد کو آواز دی اور آہستہ سے کہا جو زیورات چوری سے محفوظ رہ گئے ہیں وہ سب لے آؤ اور ہمارے بینک کی کتاب انکم ٹیکس کی رسید بھی چنانچہ بقایا زیوارت ایک کشتی میں آئے تو حاجی صاحب نے تھانہ دار سے کہا یہ بقیہ زیورات رہ گئے ہیں اور یہ بینک کا اسٹیٹ منٹ ہے یہ اس سال کا انکم ٹیکس ہے اس سال کا انکم ٹکس ۱۳ ہزار دیا تھا غالباً اب آپ اس چوری کو فرضی نہ سمجھیں گے تھانہ دار صاحب نے پوچھا یہ آپ سے کس نے کہا کہ رپورٹ فرضی ہے آپ نے فرمایا ابھی ابھی میں نے آپ کی زبان سے خود سنا ہے اور آپ نے کہا ہے، یہ سن کر وہ سمجھ گیا کہ یہ بھی انگریزی سے واقف ہیں۔

غرض تحقیقات شروع ہوئی اور شام کو حاجی صاحب سے اس نے کہہ دیا کہ صاحب چوری کا پتہ چلنا بہت مشکل ہے اور ادھر ادھر کی بات کرنے کے بعد اس نے

کہا آپ کے یہاں چوری ہوئی ہے جہاں اتنا مال گیا ہے آپ میرے یکہ والے کو کرایہ دے دیں اس نے یہ اُصول بنا رکھا تھا کہ جہاں بھی تحقیق کے لئے جاتا تو کرایہ اس سے دلاتا تھا جس گھر واردات ہوتی تھی حاجی صاحب نے کرایہ دے دیا لیکن دوسرے دن ایک تار کمشنر کو اور ایک آئی جی پولیس کو دیا تیسرے دن سنتوش کمار تھانہ دار گھبرایا ہوا آیا اور حاجی صاحب سے کہنے لگا آپ نے یہ کیا غضب کیا اور کہاں کہاں اطلاع کر دی ابھی پورے طور پر بات بھی نہ کر پایا تھا کہ ۱۵-۲۰ پولیس کے سپاہی تین چار تھانے دار اور دو ہاتھیوں پر پولیس کے اعلیٰ حکام مکان پر پہنچ گئے۔

بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں شام کو جب پولیس پارٹی جانے لگی تو ایس۔ پی امداد حسن نے سنتوش کمار سے کہا میرا ہاتھی شاہ پور سے ایک میل بھی نکلنے نہ پائے کہ حاجی صاحب کے یہاں کی چوری برآمد ہو جانا چاہیئے یہ کہہ کر ہاتھی پر بیٹھ گیا اور ہاتھی روانہ ہو گیا تھوڑی دیر بعد سنتوش کمار اور چند سپاہی واپس آئے ان کے ہاتھ میں ایک کپڑے کی پوٹلی تھی اُنہوں نے حاجی صاحب سے بتلایا گاؤں کے باہر جو کھیت ہیں اس میں ہم کو یہ مال ملا ہے جس میں کچھ نقدی وطلائی زیورات تھے یہ زیورات حاجی صاحب کی ہمشیرہ اور بھتیجی کے تھے بڑی خوشی ہوئی کہ چوری کا سراغ مل گیا ہے اب کل مال مل جائے گا۔ تحقیقات از سر نو شروع ہوئی اور واقعہ چوری کے ملزمان کو پکڑا گیا اس چوری میں تقریباً سات یا دس ہزار کی مالیت کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

مگدی پور کے چند پاسیوں کو تین تین ماہ کی سزا ہوئی۔

کوئٹہ کا زلزلہ اور سپلائی کی بحالی

جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے کوئٹہ میں 1935 میں رات کو زلزلہ ۳ بجکر ۳۰ منٹ پر ۳۰ سیکنڈ کے لئے آیا لیکن اپنی تباہ کاریوں کی ایک طویل داستان پیچھے چھوڑ گیا اعداد و شمار کے مطابق اس زلزلہ میں ۳۰ ہزار سے ۶۰ ہزار افراد تلف ہوئے۔ اور کوئٹہ تہس نہس ہو کر رہ گیا ملبہ ہٹانے اور شہر کو صاف کرنے کیلیے فوج طلب کرنا پڑی جب کہ خورد و نوش اور ضروریات کے لئے کوئی انتظام نہ ہو رہا تھا نظامِ زندگی کا ہر شعبہ معطل ہو چکا تھا۔

بدرالاسلام دلی والے جو نہ صرف دلی میں اپنے کاروباری ساکھ کے لئے مشہور تھے بلکہ ہندوستان میں شہرت رکھتے تھے اور زلزلہ سے پیشتر انہیں کا ٹھیکہ تھا اُنھوں نے سجاد صاحب سے رابطہ قائم کر کے انہیں کوئٹہ بھیجا۔

وہاں جا کر اُنھوں نے ضروری انتظامات کیئے اسکے بعد بدر صاحب سے ان کا رابطہ تا حیات قائم رہا۔

سپلائی کی بحالی ہو جانے پر جب وہ واپس آئے تو وہاں کے حالات بتلائے جو نہ صرف حیرت انگریز تھے بلکہ قدرت کے کھیل کی عجیب و غریب مثالیں تھیں جن میں درس عبرت ہی عبرت تھا۔

مثال کے طور پر ریل کی پٹریاں اس طرح سے اکھڑ کر ٹیڑھی ہو گئی تھیں جیسے چلنے میں سانپ ایک پہاڑ روزانہ تقریباً ایک فٹ زمین میں دھنستا تھا اور یہ سلسلہ کم و

بیش ایک ماہ جاری رہا۔

ایک مکان کا ملبہ فوجیوں نے جب ہٹانا شروع کیا تو کوئی فرد زندہ نہیں بچا لیکن ملبے کے نیچے ایک چھابڑی نکلی جب اس کو اُٹھایا تو ایک مرغی معہ دس بارہ بچوں کے زندہ اور سلامت نکلی اور بچوں کو دانہ چگانے کے لئے کٹ کٹ کرنے لگی۔

ایک مکان کا ملبہ صاف کرتے ہوئے ایک کمرے میں دو لاشیں ملیں ایک دولھا اور ایک دولھن شادی کے جوڑے میں ہمہ تن تھے اس بدنصیب جوڑے کو موت نے ستر پوشی کی مہلت بھی نہ دی۔

انسانی ہمدردی اور جذبہ خدمت

راقم الحروف کے ہوش سنبھالنے کے بعد ان کی خدمات اور ہمدردیاں و کارنامے جو میرے علم میں ہیں ان کو مختصر اُدرج کرتا ہوں۔ اس سے کسی طرح کا تفاخر مقصود نہیں ہے بلکہ یہ ان کی ذات کا ایک صفاتی حصہ ہے جس کا ذکر کرنا ضروری ہے غالباً ۱۹۴۰ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ فتح پور نے ایک حکم نامے کے ذریعہ ان مڈل اسکولوں کو توڑ دیا جن کی عمارت پختہ نہ تھی چنانچہ جہاں اور اسکول ٹوٹا وہاں ایرایان کا مڈل اسکول بھی اس حکم نامے کی زد میں آ گیا اس اسکول میں قرب و جوار کے لڑکے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تعداد مسلمان طالب علموں کی زیادہ تھی ایرایان والوں نے اسکول چلانے کے لئے چندہ اسکیم شروع کیا اس سلسلہ میں ایک وفد آیا جس میں حاجی سید مہر

علی داروغہ سید سراج الحق ۔ حافظ سید عبدالقادر۔ سید محمد احمد عرف چھوٹے میاں، حکیم فرخ صاحب، اظہار الحسن عابدی، مولوی سید صغیر حسن، حکیم سید محمد اسحاق (نواب) اور بہت سے ایرایان کے لوگ بھی تھے جنہوں نے حاجی سید سجاد حسین صاحب سے چندہ طلب کیا آپ نے ان لوگوں سے کہا آپ لوگ پریشان نہ ہو اس اسکول کو میں ایک سال تک اپنے خرچے سے حسب ضرورت مدد کروں گا لیکن آپ نے اس اسکول کو مسلسل تین سال تک چلایا اس عرصہ میں اسکول اپنے اخراجات میں خود کفیل ہو گیا۔

ایسا ہی ایک وقت مسلم ہائی اسکول فتح پور پر بھی آپڑا اس زمانہ میں مسلم ہائی اسکول کے صدر شیخ حشمت علی وکیل تھے اور ہیڈ ماسٹر اسحاق صدیقی ۔ اسحاق صاحب، انتہائی قابل اور اسکول کے ہمدرد تھے گرمیوں کی تعطیل میں گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو تلقین کرتے اور تعلیم کے فوائد ذہن نشین کراتے پھر ان سے استدعا کرتے کہ آپ اپنے بچوں کو مسلم اسکول فتح پور میں داخل کریں تا کہ قرب جوار کے مسلمان لڑکے تعلیم حاصل کر سکیں کیونکہ زیادہ تر طلباء کے والدین دولت مند نہیں ہیں۔

حاجی صاحب نے الہ آباد جا کر کاظمی صاحب سے ملاقات کی کاظمی صاحب نے اسکول کے مالی بحران کی طرف توجہ دلائی اور اسکول میں جو اندرونی چپقلش چل رہی تھی اس کے متعلق گفتگو ہوئی القصہ کاظمی صاحب نے حاجی صاحب کو اسکول کا مینیجر مقرر کر دیا کیونکہ آپ نے اسکول کے فنڈ میں ایک خطیر رقم خود جمع کر دی تھی اور اسٹاف کی چڑھی ہوئی تنخواہ سب کو ادا کر دی ماسٹر اسحاق صدیقی صاحب کو دوبارہ

اسکول میں بطور ہیڈ ماسٹر تعینات کیا شاہ پور سے سید محمد کامل صاحب کو اور صلاح پور (الہ آباد) سے مقصود صاحب کو بلا کر اسکول میں رکھا اور اسکول کی نہ صرف مالی حالت بہتر ہوئی بلکہ تعلیمی حالت بھی بدرجہا بہتر ہوگئی اسی مسلم اسکول میں آپ نے ایک طویل وعریض ہال تعمیر کروایا جو سجاد ہال کے نام سے موسوم ہے۔ اسکول کو کالج بنانے کیلئے نئی عمارت کے توسیع کے لئے لوہے کے بڑے بڑے گرڈر وغیرہ چوہدری افضل حسین قاسم پور کے صاحبزادے چوہدھری قاسم حسین سے خرید کر دیئے۔

شاہ پور کی مسجد میں توسیع

جناب خانصاحب سید محمد فاروق صاحب شاہپوری نے شجرہ شاہپور میں توضیحات کے عنوان سے جو اضافہ کیا ہے وہ شاہپور پر ایک ایسا جامع مضمون ہے کہ جس نے شاہپور نہ دیکھا ہو تو وہ صرف اس مضمون کو پڑھ لے گویا اس نے شاہپور کو بچشم خود دیکھ لیا وہ شاہپور کی مسجد سے متعلق رقم طراز ہیں ''حنا دید شاہ پور'' میں سب سے پہلے مسجد کا ذکر آتا ہے جو شاہپور کی ناک ہے اور کرنل محمد اعظم صاحب کی یادگار ہے اور کعبہ واعظم المساجد اسکی تاریخ ہے۔ (۱۲۴۳ ہجری)

عمارت نہایت سنگین اور پختہ ہے سوا سو سال گزر جانے پر بھی اس کی مضبوطی میں فرق نہیں آیا سادگی کے ساتھ اس کی نفاست اور خوش نمائی قابل تعریف ہے جو چیز خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے وہ تناسب ہے کہ مینار، گنبد، محرابیں، فصیلیں وغیرہ سب

اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے متناسب ہیں راقم الحروف نے اس مسجد میں بچپن سے لے کر جوانی تک نماز پڑھی ہے امامت کے فرائض حافظ افتخار احمد صاحب عرف سدن زیادہ تر ادا کرتے تھے اگر سید سجاد حسین صاحب ہوتے تو اکثر وہ جمعہ کی نماز پڑھاتے رمضان المبارک میں تراویح، انصاری برادری کے ایک فرد رمضان علی صاحب عرف للّبی پڑھاتے تھے جناب منشی سر خلیل الدین (عمر میاں) جب تک زندہ رہے مسجد کی جان و دل سے خدمت کی ان کے دم سے مسجد کی رونق میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔

شاہپور کی آبادی میں جب خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تو مسجد کی وسعت تنگی میں تبدیل ہو گئی دو صف اندر دالان میں ہوتی تھیں بقیہ نمازی مسجد کے صحن میں نماز ادا کرتے تھے خصوصاً جمعہ کو ایسا ہوتا تھا گرمی اور جاڑے میں تو کام چل جاتا تھا لیکن بارش کے موسم میں جمعہ کے دن مقتدیوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا حالانکہ حاجی سید سجاد حسین صاحب نے اس کے لئے شامیانہ خرید کر مستقلاً مسجد کو دے دیا تھا جس کو جمعہ کے دن کام میں لایا جاتا تھا۔ یوں بھی مسجد کی آرائش صفائی ستھرائی اور زیب و زینت بڑھانے میں حاجی صاحب نے ہمیشہ فراخ دلی کا ثبوت دیا چنانچہ آپ نے مسجد میں توسیع کرنے کے خیال سے سید محمد فاروق صاحب سے اس کی اجازت طلب کی کیونکہ مسجد کے تین دروں کو کھولنا ضروری تھا اور یہ مسجد ان کے بزرگوں کی تعمیر کردہ تھی دروں کی موٹائی کم از کم تین فٹ ضرور تھی اور ان کا کھولنا اس اعتبار سے آسان نہ تھا کہ اس سے عمارت کو نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا کہ کہیں مسجد کی عمارت بیٹھ نہ جائے۔

چنانچہ مشورہ کے لئے ایک انجینئر لکھنؤ سے بلوایا گیا اس نے اچھی طرح سے دیکھ بھال کر بتلایا کہ اگر دروں کو کھولا گیا تو عمارت کو نقصان پہنچ جائے گا اور بغیر دروں کو کھولے ہوئے توسیع ممکن نہ تھی قاسم پور کا میاں جان نامی معمار اور اس کا لڑکا جمال در کھولنے کے لئے آمادہ تھے ان کا کہنا تھا کہ اگر در کھولنے میں مسجد کو نقصان پہنچے تو ہماری گردنیں ماردی جائیں خیر یہ تو چرب زبانی یا لفاظی والی بات تھی لیکن ان کو اپنے فن پر بھروسہ تھا اس لئے بضد ہوئے خدا پر بھروسہ کر کے ان کو در کھولنے کی اجازت دی گئی وقت کافی لگا اور محنت بھی بہت کرنی پڑی لیکن تینوں در بڑی صفائی سے باپ بیٹے نے ملکر کھول دیئے اور بڑی خوشی منائی گئی۔

مسجد کی تعمیری اور توسیعی کام کا آغاز ہو گیا میاں جان اور جمال کے علاوہ دو معمار باہر سے بلوائے گئے سنگ مرمر کا پتھر کسی ماہر سنگ تراش سے مکران میں بنوایا گیا اور فرش بنانے کے لئے کلکتہ سے دو مستری آئے جنہوں نے بہت عمدہ فرش بنایا پھر وہاں مشین تو نہ تھی ہاتھوں سے اس کی گھسائی اور صفائی مہینوں کی گئی تب فرش چمک اُٹھا فنشنگ اور رنگ و روغن کے بعد قیمتی جھاڑ فانوس چھت پر آویزاں کئے گئے دیواروں پر قیمتی پتھروں کے ٹکڑوں پر قرآنی آیات خطِ کوفی میں لکھی ہوئی مصالحہ جات کے ذریعہ چسپاں کی گئیں مسجد نبوی کی نقل بھی جو انتہائی خوش رنگ اور خوشنما تھی دیوار میں لگائی گئی غرض ہر طرح سے مسجد قابلِ دید ہو گئی جمعہ کے مبارک دن سے اس توسیع شدہ مسجد میں نماز ہوئی جس کی امامت خود حاجی سید سجاد حسین صاحب نے فرمائی اس دن شاہ

پور کے ہر فرد نے خوشی منائی حافظ اظہار احمد عرف بابو بن مولوی سید ممتاز احمد صاحب نے ایک نظم مسجد کے تعمیر سے متعلق بڑی خوش الحانی سے پڑھی جس میں حاجی صاحب کی تعریف بھی شامل تھی اخبار دلچسپ فتح پور میں جناب علی اصغر وارثی المست شاہپوری کی نظم مسجد کے سلسلے سے شائع ہوئی جس میں مسجد اور مسجد تعمیر کروانے والے کی تعریف تھی نظم کا عنوان تھا

حاجی سید سجاد حسین زندہ آباد

اگر چہ آج مسجد تعمیر کرنے والے جہان فانی میں نہیں ہیں لیکن اس کے حوالے سے ان کی نہ صرف یاد آئے گی بلکہ روشن نام باقی رہے گا اور ثواب کماتے رہیں گے۔

اہلِ وطن سے محبت

وقتی آویزش یا اندرونی چشمک کی بات دوسری ہے ویسے آپ دوسروں کی عزت کرتے تھے اور اپنی عزت کروانے کا ان کو سلیقہ آتا تھا گاؤں کے ہر فرد سے خواہ بچہ ہو جوان ہو یا بزرگ ہو یا ان کا ہم عمر ہو سب سے محبت کرتے تھے اور سب سے دلی لگاؤ تھا اُنہوں نے گاؤں کے افراد کی جانب سے کئی بار ہیلتھ آفیسر جن کو دیہات میں لوگ گھور صاحب کہتے تھے اجتماعی جرمانہ کی رقم خود ادا کی ہے۔ جنگ عظیم میں وار فنڈ کی وصولی یابی میں حاکم پرگنہ، قانون گو غیرہ اکثر عوام پر خصوصاً کاشتکاروں بقالوں،

دوکانداروں وغیرہ، پر سختیاں کرتے تھے اور زدوکوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

شاہ پور کے رام رتن اور جگناتھ بقال دونوں سگے بھائی تھے ان کو بھی مارا پیٹا گیا حاجی صاحب کا ان دنوں ٹھیکہ بنارس چھاؤنی کا تھا اور وہ محلّہ ندیسر وارث منزل میں معہ اپنے اسٹاف کے رہائش پذیر تھے اس دن شاہ پور آئے ہوئے تھے سرما کا موسم تھا عشاء کے قریب دونوں بھائی رام رتن اور جگناتھ سجاد منزل کے باہری کمرے میں روتے دھوتے زور زور سے دُہائی حاجی جی بچاؤ مہاراج کہتے ہوئے داخل ہوئے حاجی صاحب اندر سے فوراً باہر کمرے میں آ گئے۔

دونون بھائی کڑاکے کی سردی میں کپکپا رہے تھے اُنہوں نے اپنی پشت سے شلوکہ اتار کر پیٹھ دکھلا دی جن پر بدھیاں پڑی ہوئی تھیں زار و قطار رو کر کہنے لگے حاجی جی ہم شاہ پور چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہ ظلم آئے دن کا دھندہ بن گیا ہے آس پاس کے بازار میں جاؤ تو وہاں چندہ اور ڈنڈا گھر پر بھی ڈنڈا اور چندہ اس واقعہ کا حاجی صاحب کے دل پر پوری طرح اثر ہوا اور اُنہوں نے تحصیل دار صاحب کو گاؤں کے لوگوں کی طرف سے اجتماعی چندہ کی رقم دے کر گاؤں والوں کی گردنوں سے چندے کا پھندہ کٹوا دیا مجھے تو اس کا علم نہیں ہے لیکن معتبر ذرائع سے جن کے غلط ہونے کا احتمال نہیں ہے کہ اُنہوں نے اپنے ان مواضعات کا جن میں ان کی زمینداری تھی غریب کاشتکاروں کی طرف سے قرضہ جنگ کا اجتماعی چندہ ادا کر دیا ان مواضعات میں وار

فنڈ کے لئے کوئی سرکاری کارندہ نہیں جاتا تھا جس کے لئے حاجی صاحب نے ضلع کلکٹر سے گشتی حکم نامہ جاری کرادیا تھا۔

تعمیراتی کام

آپ کے آبائی مکان کی تقسیم ان کی والدہ صاحبہ نے اپنی اولادوں میں اس طور پر کیا کہ ایک بڑی دالان اور کوٹھری سید صفدر حسین صاحب کو دی گئی اسی طرح ایک بڑی دالان اور کوٹھری سید ابوسعید صاحب کے حصّے میں آئی اور بقیہ زمین جو خالی تھی وہ ان کی والدہ نے یہ کہہ کر ان کو دی کہ تم ماشاءاللہ اس قابل ہو کہ اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہو بنالو چنانچہ ایک کمرہ اور کمرے کے دونوں سمت کوٹھریاں پختہ بنوائیں اور باہر بیٹھنے کے لئے اور مہمانوں کے ٹھہرنے کے لئے ایک پختہ کمرہ بنوایا یہ تمام تعمیراتی کام جناب سید محمد زبیر صاحب کے زیر نگرانی انجام کو پہنچا باہر کا کمرہ جب حاجی صاحب نے زمینداری خریدی تو حاجی سید عبدالماجد صاحب نے اس کو آفس بنادیا جو تاحال آفس ہی کے نام سے مشہور ہے بلکہ انگریزی حروف میں آفس سیمنٹ کے ذریعے موٹے موٹے حروف میں اجاگر کئے گئے تھے۔ نئے گھر کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد موجودہ گھر جس میں رہائش تھی پرانے گھر کے نام سے مشہور ہوگیا۔ آفس میں زمینداری سے متعلق کارت تحریر کا کام ہوتا تھا اور مواضعات سے جو کاشتکار کسی معاملے کے تصفیے کے لئے آتے تھے ان کی بیٹھک یہیں ہوتی تھی افسوس ہے کہ جب برادرم

حاجی سید عبدالماجد صاحب مستقلاً پاکستان آنے لگے تو پرانے گھر کو اپنے عزیزوں یا خاندانی افراد کو نگرانی میں دینے کے بجائے اُنہوں نے ایرایان کے شاہ بشیر الحسن صاحب فتح اللّٰی بن شاہ نظیر الحسن فتح اللّٰی صاحب کے سپردگی اور نگرانی میں دے آئے اور نقد رقم بھی دی۔ اگر کسٹوڈین کو نیلام کرے تو گھر کے کسی فرد کے نام اس کو لے لیا جائے۔

مگر بشیر الحسن صاحب نے ایسا نہیں کیا رقم بھی خرد برد کر لی اور مکان اپنے عزیز جو ڈاکٹر جنتا کے نام سے مشہور تھے ان کو دلا دیا ڈاکٹر جنتا شاہ پور میں وقعت کی نظر سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ اس گھر کے علاوہ انہوں نے ایک بڑا مکان جانوروں کے لئے بنوایا تھا تاکہ وہ موسم کے برے اثرات سے محفوظ رہیں وہ بیل والا گھر کے نام سے مشہور تھا۔

نئے مکان کی تعمیر

اپنی پہلی بیوی کی خواہش اور کہنے پر پرانے گھر کے روبرو جو قطعہ زمین تھا اس کو خریدا اور گاؤں کے رواج کے مطابق برادری میں بلاوا دیا گیا کہ مکان کی بنیاد رکھی جائے گی چنانچہ گاؤں کے بزرگ عابد، زاہد جو ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے یعنی محترم جناب سید عبدالجلیل شاہ صاحب کے دستِ مبارک سے بنیاد پڑی اور حاضرین میں شیرینی تقسیم کی گئی مکان کی تعمیر میں مضبوطی کے خیال سے

بنیادیں قدِ آدم کھودی گئیں اور دو پرائے کے انیٹن نیو کی بھرائی میں ختم ہوئیں پہلے صدری دروازہ نصب کرنے کے بعد چوھدی تعمیر کی گئی۔

۱۹۳۸ء میں آپ کی رفیقہ حیات کا انتقال ہوگیا اور تعمیری کام کچھ عرصہ کے لئے رک گیا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جناب سید ابوظفر صاحب جو لکھنؤ میں محکمہ پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھے پنشن لے کر واپس وطن آئے بچپن سے حاجی صاحب کے خاص دوستوں میں تھے۔ ہمدرد، وفادار اور قابلِ اعتبار انسان تھے یوں بھی دورانِ ملازمت طویل چھٹی لیتے تھے تو حاجی صاحب کا جہاں ٹھیکہ ہوتا تھا وہ ان کو بلا لیتے تھے چنانچہ مکان کے تعمیر کا کام انہیں کے سپرد کیا گیا حاجی سید مہر علی صاحب جو حاجی سید حسین صاحب کے سگے ماموں تھے وہ بھی صلاح و مشورہ کے لئے شاہ پور میں مقیم ہوئے اور تعمیراتی کام ایک تسلسل سے شروع ہوا۔ قابلِ ذکر معماروں میں کڑا ضلع الہ آباد کے نواب اور ظہور قاسم پور کے جمال اور میاں جان اور ضیاء الحق صاحب تھے متواتر کئی سالوں کے بعد مکان کی تعمیر اپنی تکمیل کو پہنچی جمعہ کے دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد مکان آباد کرنے کی رسم ادا کی گئی اس وقت خاندان میں سب سے بڑی والدہ حاجی سید سجاد حسین تھیں ان کے ہاتھوں میں قرآن مجید تھا۔ حاجی صاحب کے دونوں ماموں کے ہاتھوں میں بھی کوئی نیک شگون کی چیزیں تھیں۔

غرض پورے خاندان کے لوگ اس وقت موجود تھے جو حسب مرتبہ قطاروں میں تھے اور مکان میں داخل ہو رہے تھے ایرایان۔ شاہپور اور ہتگام کے اعزاء اس

خوشی میں شامل ہونے اور مبارک باد دینے کو آ گئے تھے چنانچہ میلاد شریف ہوا اسی اثناء میں ابو ظفر صاحب نے کھانے کا انتظام بھی کر دیا۔ کلچہ، قورمہ، پلاؤ اور زردہ تھا یہ پرمسرت اور پر رونق تقریب ہنسی خوشی کے جلو میں اختتام کو پہنچی اور سبھوں کی خواہش کا لحاظ کرتے ہوئے اس نئے مکان کا نام ''سجاد منزل'' رکھا جس کی تیسری منزل پر جلی اور خوش خط جناب امیر حسن کے منجھلے صاحبزادے حکیم اسرار صاحب نے لکھا تھا۔

فتح پور میں بھی مکان

جنگ عظیم کے دوران ایک مکان منشی خلیل الدین سے محلّہ خیلدار میں خریدار تھا اچھا خاصہ مکان تھا جس کا ایک حصہ بنوا کر کرایہ پر اُٹھایا گیا تھا جس میں حسینہ مرزا پور کے عبدالروف وکیل فوجداری رہتے تھے نصف حصہ میں حاجی صاحب کے چھوٹے صاحب زادے سید عبدالہادی مرحوم عزیزی سید محمد الطاف پسر سید محمد فاروق صاحب مرحوم اور سید ریاض احمد بخاری بن سید محمد زبیر صاحب مرحوم بسلسلہ تعلیم رہتے تھے ان کی نگرانی اور تربیت کے لئے عبدالہادی کے نانا داروغہ سید سراج الحق کا بھی مستقل قیام رہتا تھا عبدالشکور یعنی شکور بابا باورچی اور رمضان خدمت گار تھا راقم الحروف نے بھی تین سال انہیں لوگوں کے ساتھ بسلسلہ تعلیم فتح پور والے گھر میں قیام کیا تھا یہاں مہمان بہت آتے تھے اور داروغہ سراج الحق صاحب کے احباب بھی دن دن بھر رہا کرتے تھے۔

شاہپور میں دو مکان اور خریدے

حالانکہ آپ کو مکان کی ضرورت مطلق نہیں تھی لیکن رفیقہ بیگم کا مکان جس کے مالک حسن الدین خاموش تھے اُنہوں نے حاجی صاحب کی بدست زور دے کر اور اپنی ضرورت و مجبوری بتلا کر دیا دوسرا مکان معین الدین صاحب وحمید الدین صاحب کا جو کہ حاجی صاحب کا بھی آبائی مکان تھا وہ بھی اسی طرح کی ضرورت بتلا کر فروخت کیا گیا۔

موضع اترہا کی خریداری کی وجہ یہ ہے کہ حاجی سید سجاد حسین صاحب کی بھتیجی حسن بانو عرف ننھی بی بی بیگم سید طالب حسین ہنگامی معہ لڑکوں کے پاکستان جا چکے تھے یہ بھی اپنے بچوں کے پاس جانا چاہتی تھیں اُنہوں نے اپنے چچا کو زمینداری خریدنے کی پیش کش کی لیکن حاجی صاحب نے کہا زمینداری تو ٹوٹ رہی میرے پاس خود ہی بڑی جائیداد موجود ہے جو نکل جائے گی لہٰذا اس کو لے کر کیا کروں گا مگر وہ بضد ہوئی بالآخر اپنی مجبوری کا اظہار کیا کہ کرایہ و دیگر اخراجات کے سلسلے میں یہ مجبوری ایسا کر رہی ہوں چنانچہ اس طرح موضع اترہا کے حصّے کی خریداری عمل میں آئی۔

آپ ایک بڑی جائیداد کے مالک تھے

آپ نے چھوٹی عمر سے اپنی روزی اپنے قوت بازو سے کمائی ساتھ ساتھ تعلیم کو بھی جاری رکھا اور تعلیم کے اس معیار کو پہنچ گئے کہ خاصے پڑھے لکھوں میں شمار

کئے جانے لگے اُردو، فارسی کا تو جب رواج تھا البتہ انگریزی کی طرف عام مسلمانوں کا رجحان اور میلان طبع کم تھا لیکن آپ نے علوم مغربی پر بھی عبور حاصل کر لیا دوران گفتگو میں نے خود آرمی کے بعض بڑے افسران کو ان سے یہ دریافت کرتے سنا ہے کہ آپ نے آکسفورڈ سے یا وسکانسن یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے۔

بہر حال آپ نے لاکھوں کمایا جی بھر کر خرچ کیا کنبہ پروری میں مثالی خدمات انجام دیں اپنے کاروبار میں اہل خاندان اور ضرورت مند اہل وطن کو سمیٹے رہے اور حاجت مندوں کو فیض پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کیا آپ نے اپنے کاروبار ہی کے زمانے میں ایک بڑی جائیداد خریدی جس سے نہ صرف اہل وطن بلکہ ضلع فتح پور کے چھوٹے بڑے زمیندار حضرات واقف ہیں۔ آپ کا رویہ اپنی رعایا اور کاشتکاروں کے ساتھ انتہائی ہمدردانہ تھا۔ جو کاشتکار مالگزاری ادا نہ کر پاتے تھے ان پر نالش کا مقدمہ کرنے کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ نالش کر کے اپنا اور غریب کاشتکار کا پیسہ اور وقت نہ برباد کیا جائے یہی وجہ تھی کہ ان کے کاشتکار اور ہر موضع کی رعایا ان کا دم بھرتی تھی زمینداری کا کام سید محمد احمد صاحب (چھوٹے میاں) ایرایانی کے سپرد تھا۔

سواریاں

سواریاں کچھ تو زمینداری کے بندوبست اور آمدورفت کے لئے تھیں کچھ گھر کے افراد کے لئے بیل، گاڑی یکہ اور موٹر گاڑی تھیں موضع پر بسلسلہ وصول و تحصیل اور

انتظامات کے لئے مختار عام سید محمد احمد صاحب عرف چھوٹے میاں جو خود بھی زمیندار تھے انتہائی معاملہ فہم اور قانون دان تھے اُصول زمینداری پر عبور حاصل تھا ان کے آنے جانے کے لئے عمدہ ڈیل ڈول کا گھوڑا معہ یکہ کے تھا ایک لاری اور ایک کار جانوروں میں بکری، بکرے، گائے، بھینس، بفضلہٖ تعالیٰ سب ہی میسر تھا۔ لاری جب شاہ پور سے فتح پور یا کان پور سے الہ آباد جاتی تھی۔ تو شاہپور کا جو فرد جانا چاہتا تھا خواہ ضرورت سے یا تفریح سب کو سفر کی سہولت دی جاتی تھی یہ سواریاں پاکستان آنے سے قبل سب آخیر وقت تک رہیں۔

کمشنر الہ آباد ڈویژن کی دعوت

شاہپور سے بنارس کے لئے حاجی صاحب روانہ ہوئے کھاگا تحصیل کے سامنے جب یکہ پہونچا تو تحصیل کا چپراسی دوڑتا ہوآیا، یکہ کو رکنے کا شارہ کیا اور کہا تحصیلدار صاحب آپ سے ملنے آرہے ہیں تحصیلدار صاحب آگئے تحصیل کے باہر ایک ہجوم لگا ہوا تھا استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سب اس لئے اکٹھا کئے گئے ہیں کہ ان سے چندہ وصول کیا جائے تا کہ کمشنر صاحب کی دعوت کا انتظام کیا جا سکے آپ نے استفسار کیا دعوت میں کیا کیا کھلا رہے ہو تحصیلدار صاحب نے کہا سیوڈال، پکوڑہ، کچوری، اچار مٹھائی اور جیرہ جل حاجی صاحب نے کہا بھنے چنے ہری مرچ اور نمک بھول گئے تحصیلدار صاحب کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولے یہاں کے لوگوں سے تو اتنا

ہی چندہ ملے گا جس سے یہ سامان آسکے آپ نے فرمایا اب آپ ان لوگوں کو پریشان نہ کریں اور اطمینان رکھیں سب بندوبست میں کروں گا مجھے تاریخ وقت اور مدعو حضرات کی تعداد بتلادیں بلکہ اپنا آدمی میرے اس کارڈ کے پتے پر بھیج دیجئے گا تاکہ دیگر اخراجات کے لئے کچھ رقم آپ کو پہنچ جائے۔

تحصیلدار صاحب نے آپ سے شرکت کا وعدہ کرایا اور دوسرے دن اپنا ایک آدمی بنارس بھیج دیا اتفاق کہ وہ شخص شاہپور سے قریب موضع مہلیا کا اجودھیا پرشاد قوم کالیتھ کا قانون گو تھا وہ حاجی صاحب کو اور تقریباً سب ہی شاہ پور کے لوگوں سے واقف تھا، بڑی شائستہ اُردو بولتا تھا اس نے حاجی صاحب سے کہا آپ مجھ کو جلد واپسی کی اجازت دے دیں اگر جانے میں تاخیر ہوئی تو آپ تو رام کلد سنگھے کو جانتے ہیں وہ ہم پر بہت گرم ہوں گے حاجی صاحب نے کہا اس کی تم فکر نہ کرو میں چٹھی لکھ دوں گا بنارس تم لوگوں کی تیرتھ گاہ ہے، ابھی بھوجن وغیرہ کرو شام کو گنگا اشنان کرنا اور مشہور گھاٹ بھی دیکھ لینا میں تمہیں ایک اسٹیمر کر دوں گا اور ایک آدمی بھی ساتھ کر دوں گا وہ تم کو سیر کرالائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا تقریباً ۸ بجے رات کو گھوم پھر کر گنگا اشنان کر کے اجودھیا پرشاد صاحب واپس آئے تو حاجی صاحب نے دریافت کیا بھوجن وغیرہ کر کے گنگا بھی اشنان کر آئے مگر یار دھوتی تو وہی میلی پہنے ہو۔ یہ کہکر ایک بہت عمدہ دھوتی نکال کر الماری سے دی کہ یہ تم پہنو اور ایک پرت کی بنارس کی بُنی ہوئی کامدار ساڑھی دی کہ یہ

میری طرف سے اپنی دھرم پتنی کو دینا اور بھی کچھ تحفہ تحائف دیئے زادراہ کے علاوہ نقد رقم اس کو دیا تحصیل دار کو چار ہزار روپیہ دینے کے لئے علیحدہ رقم دی اجودھیا پرشاد باغ باغ واپس گیا تحصیل میں سب سے کہتا تھا اخلاق محبت رواداری اگر ہے تو مسلمانوں میں ہے۔

جو دعوت کی تاریخ مقرر تھی اس سے ایک دن پیشتر الہ آباد سے ڈیکوریشن کا سامان کھاگا پہنچ گیا۔ اور پارٹی والے دن خورد ونوش کے تمام لوازمات ومشروبات وغیرہ وغیرہ پہنچ گئے تحصیل کھاگا سے تعلق رکھنے والے رئیس اور بڑے زمینداران سرکاری اور نیم سرکاری عہدیداران سمیت سب پارٹی میں شریک ہوئے فوٹو بھی کھینچی گئیں پہلی صف کرسیوں پر تھی دوصف ایستادہ افراد کی تھیں پہلی صف میں درمیان میں سی۔ڈی۔ونکٹن اچاریہ صاحب کمشنر الہ آباد ڈویژن تھے ان کے بائیں طرف۔ایس۔ڈی۔او۔استھنا صاحب دائیں زاہد حسن صاحب کلکٹر ضلع فتح پور تھے کلکٹر صاحب کے بعد حاجی سید سجاد حسین صاحب اور پھر دیگر علاقے کے بڑے زمیندار و سرکاری افسران تھے اس طرح کی ایک دعوت شاہپور میں حاجی صاحب نے اور منعقد کی تھی جس میں قریب وجوار کے نامی افراد شریک ہوئے تھے اس قسم کے اجتماع یا دعوتوں کے سبب شاہپور کو کافی شہرت نصیب ہوئی۔

شاہپور میں اسکول اور ہسپتال کی تعمیر جو نہ ہو سکی

شاہ پور کے بازار سے ملحق سید عماد الحسن صاحب کا آبائی قبرستان تھا جس سے ملحق ایک سرکاری اسکول کی عمارت کسی زمانہ میں کاغذی اینٹوں سے بنی تھی اس اسکول میں حاجی صاحب کے والد ماجد مولوی سید اولاد حسین مرحوم ہیڈ مدرس تھے اس اسکول کی دیواریں اور کچھ کچھ نمایاں آثار پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد بھی باقی تھیں اپنے والد کی یاد میں حاجی سید سجاد حسین صاحب نے اس کو دوبارہ بنوانا چاہا کیونکہ شاہ پور کے پرائمری اسکول کی کوئی عمارت نہ تھی اور شاہپور کا اسکول کبھی عباس بابا کے مکان میں ہوتا یا کبھی عاقل ماموں کے محل میں یا بدر الحسن، عماد الحسن صاحب کی کوٹھی میں جو دیورنیاں تالاب کے کنارے بنی تھی لیکن سید محمد سلیم صاحب نے اس اسکول کی تعمیر میں یہ تحریری شرط لینی چاہی کہ اگر اسکول کسی وقت گورنمنٹ کے طرف سے توڑ دیا گیا تو یہ آپ کی بنوائی ہوئی عمارت ہماری ملکیت ہوگی اور ہسپتال نونن ٹولہ سے نکل کر جو میدان پڑتا تھا جس کو چھوٹی فیلڈ بھی کہتے تھے بنوانا چاہا لیکن اس کے لئے بھی یہی شرط درمیان لائی گئی اور اس طرح سے نہ مدرسہ تعمیر ہو سکا اور نہ اسپتال۔

مسلمانوں کی رہن شدہ جائیداد کی واپسی

اکثر خوشحال زمین داروں کی زمینداریاں فضول اور جاہلانہ رسومات کے باعث محض ظاہری نام و نمود کی خاطر مہاجنوں کے قبضے میں چلی گئیں اور اچھے خاصے

کھاتے پیتے گھرانے مفلوک الحال وتنگ دستی کا شکار ہوگئے دولت کا انحطاط ایسا مسلط ہوگیا کہ زندگی جیسی نعمت سے لوگ بیزار ہوگئے ایسے لوگوں کی حاجی سید سجاد حسین صاحب نے بھرپور اعانت فرمائی۔

ضلع فتح پور کے سب ہی لوگ واقف ہیں کہ قاسم پور کے چودھری افضل حسین اتنی بڑی جائیداد کے مالک تھے کہ قاسم پور سے فتح پور اپنی ہی زمین پر جاتے تھے۔ چودھری افضل حسین کی زندگی ہی میں حالات بگڑنا شروع ہوگئے ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے چودھری اقبال حسین کی مالی حالت دن بہ دن ابتر ہوگئی یہاں تک کہ نوکر چاکر سپاہی پیادے ایک ایک کر کے سدھار گئے۔ راقم الحروف نے جناب چودھری اقبال حسین کو بہت اچھی طرح سے دیکھا ہے۔ انتہائی شریف منکسر المزاج اور سیدھے سادھے سپاٹ آدمی تھے۔ تعلیم کوئی خاص نہیں تھی ان کے سالے لڈن میاں ان کے گھر اور باہر کا انتظام کرتے تھے جو تھوڑی بہت زمینداری تھی وہ بھی لڈن میاں کی زیر نگرانی تھی۔

اس زمانے میں حاجی سید سجاد حسین صاحب کے کاروباری مشاغل بڑھے ہوئے تھے پھر بھی وہ شاہ پور ہفتہ عشرہ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ چنانچہ چودھری اقبال حسین صاحب ایک مرتبہ ملاقات کے لئے آئے رفتہ رفتہ یہ ملاقاتیں دوستی میں بدل گئیں غالباً مہینہ جون کا تھا گرمی اپنے شباب پر تھی اس دن لو شدت کی تھی چودھری اقبال حسین صاحب ملاقات کے لئے آگئے انتہائی بجھے بجھے آزردہ اور نڈھال پسینے

میں شرابور جلد ہی اُنہیں منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی دیا گیا اُنہوں نے منہ ہاتھ دھو کر دم لیا تو رسول پور کے خوش رنگ اور شیرین پھل خربوزہ اور شربت روح افزاء پیش کیا گیا کچھ دیر بعد کھانا کھایا گیا پھر آرام کرنے لگے، ڈوری والا پنکھا نوکر کھینچ رہا تھا وہ سو گئے اور حاجی صاحب ظہر کی نماز ادا کرنے مسجد چلے گئے۔

شام کو چودھری اقبال حسین بیدار ہوئے تو بحال تھے حاجی صاحب کے ساتھ شام کی چائے پی اور گفتگو کرتے رہے لیکن ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن قوتِ گویائی ساتھ نہیں دے رہی حاجی صاحب بڑے مردم شناس تھے اُنہوں نے خود ہی دریافت کیا کہ چودھری دوستانہ تو اتنا ہے اور دل کی بات زبان پر نہیں لاتے تو اِنہوں نے کچھ پس و پیش کے بعد شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پوٹلی نکالی اور حاجی صاحب کو دے دی اُنہوں نے کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ طلائی زیوارت تھے حاجی صاحب سے کہا دوست اوپر شیروانی اور اندر پریشانی کے سوائے اب ہمارا اقبال گر چکا ہے تھوڑا بہت سفید پوشی کا بھرم تھا وہ بھی قریب الختم سمجھو معمولی جائیداد رہ گئی ہے۔ بقیہ مہاجن کے یہاں رہن ہے حاجی صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا آپ کل میرے ہمراہ بنارس چلیئے وہاں اطمینان سے کوئی بہتری کے لئے غور کیا جائے گا الغرض دوسرے دن حاجی صاحب کے ہمراہ چودھری اقبال حسین بنارس چلے گئے حاجی صاحب نے ان کو اخراجات خانگی کے لئے ایک معقول رقم دی تحفہ تحائف کے بہانے اور بہت کچھ نذر کیا اور ان کی جائیداد واگزار کرانے کے لئے اپنے وکیل کے

ذریعہ مقدمہ دائر کروادیا۔

کیونکہ مہاجن لالچ کے سبب جائیداد کی واپسی کو تیار نہ تھا لیکن اس کے پاس کوئی پختہ تحریر نہ تھی جس کی بناء پر وہ جائیداد ہضم کرسکتا کچھ حاجی صاحب کے اثر و رسوخ نے اپنا کام کیا کچھ چودھری اقبال حسین صاحب کی قسمت نے یاوری کی اقبال حسین کی ڈگری ہوگئی اور قبضہ جائیداد پر مل گیا تو آپ حاجی صاحب کے پاس آئے مبارکباد پیش کی اور کہا یہ سب آپ کی بدولت ہوا ہے لہٰذا میں یہ جائیداد آپ کو لکھ دوں تاکہ جو رقم آپ نے صرف کی ہے وہ آپ کو مل جائے حاجی صاحب نے جواب دیا یہ محض میں نے آپ کی مجبوری انسانی ہمدردی کے پیش نظر کیا ہے آپ کی جائیداد آپ کو مبارک ہو چودھری اقبال حسین کے وہم وگمان میں بھی نہ رہا ہوگا کہ اس دور میں کسی غیر کے لئے کوئی ایسا حسن سلوک کرسکتا ہے بہر حال یہ نیکی حاجی صاحب کے فرد عمل میں لکھی ہوئی تھی جوان کو ملی اسی نوعیت کے اور کئی کیس تھے جن کو حاجی صاحب نے مقدمہ لڑ کر جائیداد واپس کروائی اور کسی سے پائی پیسہ نہیں لیا ضلع فتح پور کے کئی رئیسوں کی جن کی مالی حالت خراب ہوچکی تھی بھرپور مدد کی اور جس نے قرض چاہا اس کو قرض بھی دیا نہ کسی نے رقم واپس کی اور نہ آپ نے تقاضہ کیا۔

بڑے بیٹے کی سگائی

حاجی صاحب کی والدہ یعنی سید عبدالماجد صاحب کی دادی امید النساء جہاں خاندان کے لڑکے لڑکیاں سن بلوغت کو پہنچتی یا پہنچتے اُنہیں رشتہ ازواج میں منسلک کر دیتیں۔

چونکہ خاندان میں سب سے بڑی تھیں اس لئے کوئی روک ٹوک بھی نہیں کر سکتا تھا اور ان کے ملائے ہوئے رشتے سو فیصد انتہائی کامیاب ہوتے تھے۔ بھائی عبدالماجد صاحب کی نسبت اُنہوں نے ایرایان کے اپنے ایک بھائی حافظ عبدالقادر صاحب کی صاحبزادی سے کردی جن کا نام محمدی بیگم عرف میمونہ ہے حافظ عبدالقادر صاحب عرف منوں میاں نے بخوشی یہ پیغام منظور کرلیا حالانکہ منوں میاں کی زبان سے نکلی ہوئی بات لوہے کی لکیر ہوتی تھی پھر بھی سگائی کی رسم ادا کی گئی اور سلامی وغیرہ دی گئی ادھر شادی کے خیال سے تاریخ کے تعین کی جب بات کی جاتی تو حاجی صاحب کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد اللہ کو پیارا ہوجاتا اور کچھ طے نہ ہو پاتا کئی سال اسی طرح سے گزر گئے اسی دوران حاجی صاحب خود بیمار پڑ گئے پہلے تو جناب حاجی حکیم مولوی سید نعمت اللہ جو حاجی صاحب کے عزیز قریبی تھے اور کسی ریاست دیوان میں طبیب خاص تھے ان کا علاج ہوتا رہا۔ پھر ہتگام کے حکیم بخش اللہ صاحب کا اس کے بعد حکیم جناب میر مرتضیٰ ایرایانی کا علاج کرایا گیا ان سے بھی افاقہ نہ ہوا تو حکیم جناب سید محمد اسحاق صاحب کا یہ ماہر طبیب تھے قدرت نے دست شفاء عطا کیا تھا لیکن کوئی دوا

کارگر نہ ہوئی اور مرض اسہال روز بروز زیادتی پر ہونے کے سبب نقاہت بہت بڑھ گئی اور کمزوری کا غلبہ رہنے لگا اشتہاء مفقود ہوگئی جب کسی طرح کوئی افاقہ نہ ہوا تو فتح پور اسپتال میں داخل ہوئے۔

کنہیالال ڈاکٹر تھے ان کا علاج شروع ہوا روزانہ سول سرجن آتا تھا معائنہ کرتا کنہیالال سے صلاح مشورہ ہوتا دواؤں میں ردو بدل ہوتا لیکن شفاء یابی کی شکل نظر نہیں آتی تھی کانپور سے مشہور معروف ڈاکٹر عبدالصمد صاحب جو دست شفاء کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے ان کو بلوایا گیا وہ اپنی مصروفیات کے باوجود کانپور سے فتحپور اپنی ہی گاڑی سے آئے۔ دیکھا لیکن فیس نہیں لی۔ دوائیں لکھ دیں کہ استعمال کرائی جائیں۔ اس دوران شاہ پور میں ایک تلیا راجہ آیا لوگ تیل لاکر دیتے وہ اپنے سر اور کپڑوں پر تیل ڈال لیتا اور لوگوں کے مسائل کے بارے میں بتلاتا تھا لوگوں کا اچھا خاصہ مجمع تلیا راجہ کے اردگرد جمع تھا اب یہ یاد نہیں پڑتا کہ ہم یا میاں تلیا راجہ کو اپنے پرانے والے گھر کے دروازے پر ساتھ لے آئے تقریباً ایک کلو روغن تلخ ایک سلور کے ڈبے میں دیا اس نے سب تیل سر سے لے کر پیر تک ڈال لیا اور تیل والا برتن اپنے لئے مانگ لیا۔

تلیا راجہ نے میاں سے کہا بچہ تجھ پر بڑی بپتا پڑی ہے تمہاری ماتا نے خواجہ صاحب کے استھان پر منت مانی تھی تیری حاضری کی اور تیری شادی کے بعد دوبارہ استھان پر مع تیری دھرم پتنی کے جاکر استھان کے درشن کرنے کی تیری ماتا کا سورگ

باش ہو گیا اور لوگ بھول گئے تیری ایک پھوپی ہے اس سے جا کر اس منت کے بیچ پوچھ لو نہ کہو اس کو یاد ہو جائے چانچہ جب دریافت کیا گیا تو بات یاد آ گئی جو سچ تھی میاں کی پھوپی یا گھر کی کسی خاتون نے تلیار اجہ کو نہیں بلوایا تھا بلکہ ہم لوگ خود لے کے گئے تھے۔

جنگ عظیم کا زمانہ تھا اور یوپی کے بہت سے شہروں میں فوج کے خورد ونوش کے ٹھیکے حاجی صاحب کے پاس تھے کوئی ذمہ دار اپنا آدمی کام کو کنٹرول کرنے والا نہیں تھا لیکن مجبوری تھی بیماری کی شدت میں کمی نہیں ہو رہی تھی سگائی بیاہ کے کاموں میں رخنہ اندازی کرنے کا شر پسند طبعیت رکھنے والوں اور والیوں کو موقع ہاتھ آیا چنانچہ دونوں طرف گھسر پھسر ہوئی لیکن کاتبِ قدرت کا لکھا کون مٹا سکتا تھا سگائی برقرار رہی اور اپنے وقت پر شادی ہوئی۔

منوں لال جی وید کا علاج

فتح پور سے بند کی روڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے پتہ نہیں کہ منوں لال جی وید کو کوئی لایا تھا کہ وہ از خود آئے تھے کیونکہ اس زمانے میں قدرت کی جانب سے حاجی صاحب کو خاص و عام میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ بہر حال وہ اسپتال آیا اور اس نے آپ کو دیکھ کر کہا ایشور نے میری سہایتا کی تو آپ کو بہت جلد چنگا کر دوں گا آپ بڑے آدمی ہیں ویسے بھی ڈاکٹر حکیموں اور وید آپ سے پیسہ کھینچ رہے ہیں اگر آپ

اجازت دیں تو میں آپ کا علاج شروع کردوں سب نے یہی مناسب سمجھا کہ وید جی کو بھی موقع دیا جائے چنانچہ وید جی نے بتلایا آپ کو پرہیز ذرا لمبا کرنا پڑے گا اگر آپ نے پرہیز کرلیا تو چٹکی بجاتے ہی آپ کو آرام نہ ملنے لگے تو ویدک چھوڑ دوں گا۔

ویدک علاج میں تو زیادہ تر بھسم کی ہوئی دوائیں ہوتی ہیں اس نے پڑیوں میں دوا کی مقدار رکھ کر باندھ دیں اور بولا گائے کے دودھ کا میٹھا چھاچ بنا کر اس میں گھول لیں جب بھوک لگے تو یہ چھاچ اور اگر تشنگی محسوس ہو تو پانی کی جگہ یہی دوا ملا ہوا چھاچ لیں اس کے علاوہ جب تک میں نہ بتلاؤں کوئی غذا استعمال نہ کی جائے۔

چنانچہ ایسا ہی عمل کیا گیا حاجی صاحب کو وید جی نے مرض سنگرنی بتلایا تھا اور کہا تھا کہ دستوں کی شدت سے آنتوں میں زخم پڑ گئے ہیں اور کمزوری بھی اسی کارن ہے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ دوا نے اپنا اثر دکھلایا اور افاقہ ہونے لگا گرمی کے دن تھے کچھ ہی دن بعد خربوزے اور آم کی فصل آ گئی تو وید جی نے کہا اب آپ کو جب بھوک لگے خربوزہ کھائیں اور تخمی آم پتلے رس والا جس قدر چاہیں آم کا رس اور خربوزہ کھائیں صبح صبح خربوزوں کے ٹوکرے اور آموں کے ٹوکرے آ جاتے تھے اور حسب ضرورت استعمال ہوتے یہ سلسلہ تقریباً ۳-۴ ماہ تک جاری رہا مہینہ پندرہ دن بعد بند کی سے منوں لال جی وید آ کر دیکھ جاتے تھے تقریباً ۴ ماہ بعد وید جی نے کہا آج آپ کو آن (اناج) کی قسم سے کھانے کو دیا جائے گا۔ چنانچہ مسور کی دال کا پانی دیا گیا لیکن چھاج کا استعمال جاری رہا بفضل تعالیٰ کچھ عرصہ بعد حالت کافی سنبھل گئی لیکن جسمانی

طور پر صرف ہڈی اور چمڑا رہ گیا پھر کچھ عرصہ بعد ہلکی پھلکی غذائیں خوراک میں شامل ہوئیں جیسے جیسے معدہ اور آنتیں غذا کا بار قبول کرتیں کھانے کی مقدار بڑھائی جاتی رہی تھوڑا عرصہ اور گزرنے پر ہر طرح کا پرہیز ختم کر دیا گیا۔

صحت یابی کے بعد حاجی صاحب نے منون لال وید سے کہا آپ اب تک علاج کرتے رہے ہیں اللہ نے آپ کے ہاتھوں مجھے شفاء بخشی دوا کے پیسے بھی آپ نے بہت کم چارج کیے ہیں اب مجھے خدمت کا موقع دیں اور جو چاہیں میری حیثیت کے مطابق آپ طلب کریں بوڑھا وید رشی منی ٹائپ تھا اس نے کہا میرا سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ آپ تندرست ہو گئے لیکن جب زیادہ اصرار کیا گیا تو اس نے ایک رقم طلب کی جو حاجی صاحب کے لئے ایک معمولی رقم تھی۔

جمعہ کے دن غسل صحت منایا گیا سب اہل خاندان جمع تھے دعوت ہوئی اور مسجد میں مردانہ اور گھر میں زنانہ میلاد ہوا غرباء میں کپڑے اور نقد رقوم تقسیم ہوئیں اور گھر کے سب لوگوں نے شکرانے کی نماز ادا کی۔

حافظ سید عبدالقادر ایرانی

بنارس سے حاجی سید سجاد حسین صاحب نے حافظ سید عبدالقادر صاحب کو اطلاع دی کہ آپ کے لئے میں نے ایک کام روک رکھا ہے لہٰذا آپ جلد از جلد میرے پاس تشریف لے آئیں چنانچہ حافظ عبدالقادر صاحب بنارس پہنچ گئے ان کے

نام سے بکریوں کے لئے پتی کا ٹھیکہ لے لیا گیا تھا چنانچہ وہی ان کے سپرد کر دیا گیا تقریباً دو تین ماہ کے اندر ان کو اتنی معقول یافت ہوئی کہ اُنہوں نے ایرایان آ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان کی جو جائیداد اُمید علی صاحب کے پاس رہن رکھی تھی اس کو چھڑا لیا اس کی واپسی میں کسی قسم کی الجھن یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

دوسرا کام جو اُنہوں نے کیا وہ انہیں کے ایسے مضبوط کیریکٹر کا نڈر انسان کر سکتا ہے اُنہوں نے اپنے سپاہیوں سے اعلان کرا دیا کہ میں نے سود لینا چھوڑ دیا ہے لہٰذا صرف میری اصل رقم واپس کی جائے اور اگر کوئی مجبور ہے تو میں اس کو اصل رقم بھی معاف کر دوں گا جتنے لوگ ان کے مقروض تھے سب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی بنارس کے چند مہینوں کے قیام میں ریش مبارک بھی رکھ لی نمازی وہ پکے تھے حافظ ہونے کے ناطے تلاوت پابندی سے کرتے تھے گورے چٹے تنومند وجیہہ شکل انسان تھے۔ داڑھی کے سبب چہرہ ماہِ تمام کی طرح روشن تھا اور پیشانی سے نور کی شعاعیں لگتا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر تاریک فضا کو تابانی بخش رہی ہیں انتہائی خوش مزاج، خوش اخلاق، خوش پوشاک اور خوش خوراک تھے خود کھاتے تھے اور دوسروں کو کھلا کر خوش ہونا ان کی فطرت تھی چنانچہ ایک ہفتہ کا مختصر قیام فرمانے کے بعد واپس بنارس گئے کون جانتا تھا کہ ان کا یہ ایرایان آنا اب دوبارہ نہ ہو سکے گا وہاں پہنچ کر وہ علیل ہو گئے اور پیشاب بند ہونے کے موذی اور اذیت ناک مرض میں مبتلا ہو گئے۔

اس وقت حاجی سجاد حسین کی مالی حالت کافی مستحکم تھی اُنہوں نے گراں سے

گراں اور قیمتی دوائیں اور معالج مہیا کئے لیکن حالت بگڑتی گئی چنانچہ بنارس سے ابو سعید صاحب یا منشی ابو ظفر صاحب کو ایرایان بھیجا گیا کہ ان کی بیگم اور سب لڑکیوں (حسینہ، میمونہ طیبہ، صدیقہ اور واحدہ) کو بنارس لائیں تاکہ سب لوگ ان کو دیکھ لیں اس وقت بڑی لڑکی حسینہ کی شادی ہو چکی تھی باقی سب خورد سال تھیں میمونہ شادی کے قابل تھیں جن کی سید عبدالماجد صاحب سے نسبت ہو چکی تھی ان لوگوں کے پہنچنے کے دو تین دن بعد ہی سب کو حیران، پریشان روتا دھوتا چھوڑ کر حافظ عبدالقادر صاحب اپنے معبود حقیقی سے جا ملے بنارس ہی میں آسودہ خاک ہیں ان کے مزار پر جو کتبہ لگا ہے اس کا قطعہ تاریخ امیر حسن صاحب ناظم شاہ پوری کا لکھا ہوا ہے۔

جب بیگم حافظ عبدالقادر صاحب بنارس سے ایرایان معہ بچیوں کے پہنچیں تو ان کا سہاگ اجڑ چکا تھا ایرایان محلّہ پھاٹک میں صفِ ماتم بچھ گئی ایسے باغ و بہار اور روتوں کو ہنسا دینے والے کی جدائی میں سب گریہ کناں تھے اور ہر ایک کی زبان پر تھا اب کیا ہوگا لیکن قدرت نے ان کے انتقال سے پہلے ہی ان کی جائیداد وا گزار کرا کے گزر بسر کا ذریعہ پیدا کر دیا تھا اور اس کی علاوہ باقی جائیداد بھی تھی ان کی بیوہ ایک نہایت دانش مند صبر و تحمل اور انتظامی صلاحیتوں میں ماہر خاتون تھیں کچھ ایسا حسن و خوبی سے انتظام سنبھالا کہ گردش دوران ان کے دامن تک پہنچ ہی نہ سکی اپنی سب بچیوں کے فرض سے سبکدوش ہوئیں حج بیت اللہ شریف کی سعادت بھی حاصل کی بالآخر عمر طبعی کو پہنچ کر انتہائی طمانیت اور ہوش و حواس کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے

اپنے معبود حقیقی سے جا ملیں ان کا جسد خاکی پا پوش نگر میں سایہ دار درختوں کے کنج میں ایک قبر میں محفوظ ہے یہ بھی حیرت انگیز اتفاق ہے کہ حافظ سید عبدالقادر صاحب کا انتقال حاجی سید سجاد حسین صاحب کے پاس ہوا اور بیگم عبدالقادر کا انتقال اپنی بیٹی میمونہ خاتون کے شوہر حاجی عبدالماجد صاحب کے گھر حامد منزل میں ہوا یہ اتفاق قلبی تعلق اور دلی محبت کا مظہر ہے ان کا نام حاجیانی امیر بانو تھا۔ تاریخ انتقال ۱۶ نومبر ۸۷ ۱۹ء مطابق ۲۳ ربیع الاوّل ۱۴۰۷ ھجری مدفن پاپوش نگر کراچی ہے۔

آپ کے دوستوں کا آپ پر پختہ اعتماد

چونکہ پیشے کے اعتبار سے آپ تاجر تھے اس لئے ہندوستان کا شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو جہاں آپ کے قدم نہ پہنچے ہوں اس پیشے کی مناسبت سے آپ کا حلقہ احباب وسیع تھا اور دوستوں کی تعداد بھی کثیر تھی جو آپ پر بے حد بھروسہ کرتے تھے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی دوست پر کوئی ایسا ویسا وقت پڑا ہو اس نے آپ سے مدد چاہی ہو تو آپ نے منہ موڑا ہو مثال کے طور پر میں ان کے ایک مسلمان بنگالی دوست کا مختصر ذکر کروں گا ان کا نام بابو عبدالرحیم تھا خاصے پڑھے لکھے آدمی تھے ریلوے میں ریزرویشن کلرک تھے چونکہ سفر کے سلسلے میں حاجی صاحب کو سیٹ ریزرو کرانے کی آئے دن ضرورت پڑتی رہتی تھی چنانچہ ملاقات کچھ عرصہ کے بعد دوستی میں بدل گئی پتہ

نہیں محکمہ جاتی نے کیا چکر چلایا کہ بابو عبدالرحیم ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے۔
چنانچہ اپنی بیکاری کا ذکر اُنہوں نے حاجی صاحب سے کیا حاجی صاحب نے انہیں اپنے یہاں رکھ لیا کچھ ہی عرصہ کے بعد اُنہیں اتنی معلومات اور تجربہ ہوگیا کہ وہ خود بھی ٹھیکیدار بن گئے جب تک زندہ رہے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا مرنے سے کچھ عرصہ پہلے ان کا ایک خط آیا جس میں اُنہوں نے لکھا تھا، بیماری نے میری حالت تباہ کر دی ہے زندگی کے کوئی آثار باقی دکھائی نہیں دیتے مرنے سے پیشتر آپ کی صورت دیکھ لوں تو اپنے کو خوش قسمت سمجھوں گا ویسے میرا یہ خط بطور وصیت نامہ اپنے پاس رکھیئے گا اور لکھے ہوئے اشاروں کی روشنی میں عمل ہو جائے تو میری روح کو سکون مل جائے گا۔

اپنے پریشان کن حالات تحریر کئے تھے لکھا تھا دوسری بیوی کو طلاق دے دی ہے اور مہر بھی دے دیا ہے اگر وہ پھر بھی مطالبہ کرے تو مہر دوبارہ دے دیجئے گا بارک پور والا مکان فروخت کر کے مجھ پر جو قرض ہے ادا کر دیا جائے پھر لڑکے اور لڑکیوں میں بقیہ جائیداد اور روپیہ جس کا جتنا حق بنتا ہو دے دیا جائے۔ چنّی اور شجاع یہ دونوں چھوٹے ہیں ممکن ہے کہ میرے بعد سوتیلے بھائی بہن ان دونوں سے اچھا سلوک نہ کریں میں نے دونوں کو سمجھا دیا ہے کہ اگر سوتیلے بہن بھائیوں کا برتاؤ تمہارے ساتھ اچھا نہ ہو تو تم لوگ میرے دوست سجاد حسین کے پاس چلے جانا مکان کی قیمت ۲۰ ہزار مقرر کرتا ہوں آپ کو کمی بیشی کرنے کا اختیار بھی ہے اچھا خدا حافظ۔ چونکہ حاجی

صاحب ان دنوں چند مہینوں کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے اس لئے ان کے کسی خط کا ان کو جواب نہیں ملا شجاع عمر باپ کے مرنے کے بعد حاجی صاحب کے پاس شاہ پور آیا تھا چنی نہیں آئی تھی لیکن شجاع عمر میں بھی ۲۰-۲۵ برس کا جوان تھا بچہ نہیں تھا کچھ دن شاہپور میں رہا پھر حاجی صاحب نے اس کو کانپور ٹینری میں ملازم کروادیا تھا اس وقت اس ٹینری کا مالک ایک ہندو بنگالی چیٹر جی تھا۔

کیمیاء گر کو جواب

یہ واقعہ ۱۹۳۶ء کا ہے آپ کا ٹھیکہ لکھنؤ میں تھا اور رہائش صدر بازار میں تھی، یہ ایک کوٹھی نما بڑا وسیع مکان تھا اس مکان کے مالک ڈاکٹر محراب خان تھے جو بڑے سچے اور پکے صاحب ایمان مسلمان تھے اور حاجی صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے اس سستے زمانے میں اس مکان کا کرایہ Rs.75/= روپیہ ماہوار تھا دو منزلہ مکان تھا گھر کے سب ہی لوگ بشمول حاجی صاحب ان کی والدہ پہلی بیوی دو لڑکے عبدالماجد اور عبدالہادی تھے راقم الحروف کے والد محمد فاضل صاحب والدہ منیر النساء اِن کی لڑکیاں اصغری (جگن) انوری (اگہن)، صادق اور حاجی صاحب کے سالے سید اسلام الحق صاحب سب ساتھ ساتھ اسی مکان میں رہتے تھے اوپری کام کے لئے ایک حفیظ نامی نوکر تھا باورچی فتح محمد تھا جو سن رسیدہ تھا نمازی تھا اور بڑا نیک انسان تھا ایک اور باورچی تھا جس کا نام لعل محمد عرف (للوا) تھا فتح محمد باورچی کھانا پکا کر سب کو

کھلا کر اور اپنا کھانا لے کر دو پہر میں چلا جاتا تھا شام کو آ کر پھر رات کا کھانا لعل محمد اور فتح محمد ملکر تیار کرتے تھے رات کا کھانا کھلا کر اور اپنا کھانا لے کر فتح محمد تو چلا جاتا تھا لیکن لعل محمد کی رہائش چونکہ ساتھ میں تھی اس لئے وہ گھر ہی پر رہتا تھا۔

مئی جون کا مہینہ تھا گرمی شدت کی تھی دو پہر کا وقت تھا ایک فقیر وضع قطع کے اعتبار عام فقیروں سے علیحدہ ہی لگتا تھا وہ گرمی کے زمانہ میں کمبل پوش تھا ایک ہاتھ میں لوہے کا چمٹا تھا کشکول لٹکائے تھا گلے میں کوڑی مونگے کی مالا پہنے تھا صدا لگاتے ہوئے باہری کمرے میں آ گیا جہاں حاجی صاحب لیٹے تھے اس نے ان سے کہا بابا بھوکا ہوں کھانا کھلا دیجئے جب اس کو اندر سے کھانا لا کر دیا گیا تو بولا مجھے تو آپ مونگ کی کھچڑی پکوا دیں اسے کھچڑی پکوا دی گئی کھا پی کر دُعا دیتے ہوئے چلا گیا یہ جمعرات کا دن تھا اسی طرح دوسری جمعرات کو بھی آیا اور کھانے میں مونگ کی کھچڑی پکوا کر کھائی اور چلا گیا تیسری جمعرات کو بھی ایسا ہی ہوا فقیر نے کہا میں تین جمعرات سے برابر دو پہر میں آ کر آپ سے مونگ کی کھچڑی کا سوال کرتا رہا اور تازہ کھچڑی اس گرمی کے موسم میں پکوا کر کھلاتے رہے میرا دل آپ کے اس ہمدردانہ روش سے بہت خوش ہوا ہے اب میں آپ کو بھی خوش کرنا چاہتا ہوں آپ ایسا کریں ایک تانبہ کی دیگچی چند اینٹیں اور کنڈی منگا دیں چنانچہ یہ سب چیزیں اس کو مہیا کر دی گئیں اس نے اینٹیں جوڑ کر چولھا سا بنایا اس پر دیگچی رکھ دی اور اپلوں کی آگ بنائی جب دیگچی گرم ہوئی تو اس نے تھوڑے سے تانبے کے پیسے لے کر دیگچی میں ڈال دیئے اور ان کو چلاتا

رہا پھر اپنی خرجی سے ایک شیشی نکالی جس میں راکھ ایسا کوئی پاوڈر تھا وہ ذرا سا دیگچی میں ڈال کر پیسوں کو چلاتا رہا۔ یہاں تک کہ تانبے کے پیسے سونے میں تبدیل ہو گئے اس نے نکال کر دکھائے اور کہا جہاں جی چاہیے پڑتال کرالیں خالص سونا ہے چنانچہ کسوٹی پر پرکھتا گیا پیسے کاٹ کر دیکھے گئے خالص سونا تھا اس نے کہا آپ یہ سب سونا لے لیں میں آپ کو بخوشی دیتا ہوں آپ نے کہا میں یہ سونا لے تو لوں مگر جب یہ خرچ ہو جائیں گے تو پھر کیا ہوگا اس نے کہا میں ایسا کرتا ہوں کہ شیشی کا آدھا پوڈر آپ کو دیتا ہوں یہ آپ کو بہت عرصہ تک کام دے گا یہاں تک کہ وہ پوری شیشی کا پوڈر دیتا رہا لیکن حاجی صاحب انکار کرتے رہے یہاں تک کہ اُس نے غصے میں کمرے سے باہر نالی میں شیشی کا سارا پاوڈر انڈیل دیا اور بولا لو سب پوڈر ڈال دیا لو اب قصہ ختم ہو گیا مگر انکار کی وجہ تو بتاؤ آپ نے کیمیاء گر کو جواب دیا بلا محنت اور مشقت کی جب یہ دولت میرے ہاتھ آتی تو میں عیش و عشرت میں پڑ جاتا دنیا کی ہر برائیاں مجھ میں ہو جاتیں اور مجھے نکما کاہل وجود بنا دیتیں اس لئے میں قوت بازو سے کمائی ہوئی دولت کو اچھا سمجھتا ہوں اس نے کہا اچھا بابا خدا تم کو ہمیشہ دولت مند اور خوش رکھے گا اور واقعی ایسا ہوا آپ نے آخیر عمر تک محنت و مشقت کی اور ہمیشہ دولت مند رہے۔

جو کی روٹی پسند کرنے کی وجہ

آپ کے متعلق یہ بات بہت لوگوں کے علم میں ہے کہ آپ جو کی روٹی بہت

پسند کرتے تھے لیکن اس کے پس منظر میں جو واقعہ ہے اس کی لوگوں کو خبر نہیں ہے وہ اس طرح ہے کہ غیر آباد علاقہ میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی انتہائی پر سکون جگہ وہاں آپ جا کر تہجد پڑھتے تھے اور فجر کی نماز ادا کر کے واپس آجاتے تھے جب فجر کی نماز شروع کرتے تو ایک ضعیف شخص مسجد میں صفائی کرنے آتا اور جھاڑو لگا کر اتنے عرصہ میں چلا جاتا جتنے عرصہ میں وہ سلام پھیریں پہلے آپ بڑی بڑی سورہ پڑھا کرتے پھر چھوٹی چھوٹی سورہ پڑھنے لگے تا کہ اس سے ملاقات کریں ایک دن وہ بیٹھ گیا جب آپ نماز پڑھ کر دُعا سے فارغ ہوئے تو اس نے کہا میاں اس چکر میں نہ پڑو کہ میں کون ہوں اس نے ایک آبخورہ میں پانی اور جو کی روٹی دی کہ اس کو کھالیں چنانچہ آپ نے روٹی کھائی جو بہت لذیز تھی اور ذائقہ میں عام روٹی سے مختلف تھی اس لئے اکثر و بیشتر جہاں جاتے جو کی روٹی کی فرمائش کرتے تا کہ ویسی لذت دوبارہ حاصل ہو سکے لیکن وہ لذت نہ ملی۔

لباس، خوارک اور اندازِ گفتگو

نوجوانی میں آپ انگریزی لباس زیب تن فرماتے تھے لیکن جلد اس کو ترک کر دیا پھر قمیض علیگڑھ کاٹ کا پیجامہ شیروانی ترکی ٹوپی آپ کا ہمیشہ کے لئے لباس ہو گیا ہاتھ میں چھڑی بھی برابر رہتی تھی اور چشمہ اوائل عمری سے لگاتے تھے لباس ہمیشہ نفیس ہوتا تھا موسم کے اعتبار سے ردوبدل کر لیتے تھے۔

کھانے میں ہر چیز اس طرح کھاتے تھے جیسے بڑی رغبت سے کھا رہے ہیں کھانے میں کبھی نقص نہیں نکالتے تھے اور نہ فرمائشی کھانا پکواتے تھے البتہ مہمان یا دوست احباب آتے تو ضرور کہہ کر کھانا پکواتے تھے زندگی بھر آپ مہمان نواز رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس نے آپ کے دستر خوان کو ہمیشہ وسعت بخشی اور یہی اوصاف حاجی سید عبدالماجد صاحب میں ہیں انداز گفتگو دل نشین تھا لیکن لہجہ بہت نرم تھا جس کو آہستہ بھی کہا جا سکتا ہے یہ انداز عام تھا لیکن وعظ یا تقریر کرتے تو آواز اتنی بلند ہوتی کہ مجمع کے آخیر تک لوگ بہ آسانی سماعت کر سکیں اشعار یا نظم ترنم سے پڑھتے تھے جو انتہائی دلکش تھا۔

سجاد منزل سے ملا ہوا جو بلند کرسی کا طویل و عریض چبوترہ حاجی سید عبدالماجد صاحب نے بنوایا تھا اس پر جلسے، تقریبات اور ربیع الاوّل میں میلاد ہوتا تھا بڑے سرکاری افسران کی دعوتیں بھی اسی چبوترے پر ہوا کرتی تھیں موسم سرما میں صبح اور گرما میں شام کو یہاں پر بزرگوں کی نشست ہوتی تھی مسجد کے پاس خان صاحب سید محمد فاروق صاحب کے گھر سے ملحق بھی نشست ہوتی تھی۔

سید عنایت حسین صاحب کے نیم تر والے مردانے بیٹھک میں بھی جن کے گھر پاس تھے وہ آکر آرام بھی کرتے تھے اور بیٹھک بھی ہوتی تھی۔

آپ کے معمولات روزمرہ

ہمیشہ علی الصبح بیدار ہوتے ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کرتے اور نماز ادا کرتے پابندی سے کلام مجید کی تلاوت کرتے تھے ناشتہ کا وقت ہو جاتا تو ناشتہ کرتے اس کے بعد آئے ہوئے خطوط کا خود جواب تحریر کرتے اخبار کی سرخیاں دیکھتے اخبار اُردو انگریزی دونوں منگاتے تھے بقیہ اخبار دوپہر کے کھانے کے بعد پڑھتے تھے ناشتہ پر اور بعد نماز عصر گھر کے افراد سے بشمول چھوٹے بڑے سب سے باتیں کرتے اور حال چال دریافت کرتے بسا اوقات کھانے پر اپنے ملازموں کو بھی شریک کر لیتے تھے۔ اور نماز عشاء کے بعد فوراً سونے کے لئے لیٹ جاتے تھے جلسہ وعظ میلاد یا میٹنگ وغیرہ ہوتو اس کی بات دوسری تھی۔

اپنے متعلق وضاحت

وہ کبھی کبھار برادرم سید عبدالماجد وسید عبدالہادی مرحوم کو اور گھر کے دوسرے بچوں کو اپنے پاس بیٹھا کر اپنی سرگزشت سچی کہانی کے نام سے سنایا کرتے تھے ابتدائی حالات بڑے دکھ بھرے اور غم انگیز تھے وہ اپنے متعلق بلا دھڑک کہتے تھے میں کوئی پشتینی یا خاندانی رئیس یا دولت مند نہیں ہوں مجھے اسکول میں چند جماعتوں کے علاوہ پڑھنا نصیب نہیں ہوا جو کچھ پڑھا پرائیویٹ طور پر اپنے شوق سے پڑھا اُردو فارسی اپنے بڑے بھائی منشی سید صفدر حسین سے انگریزی ایک پولیس انسپکٹر کنور ادریس

اور ریلوے اسٹیشن ماسٹر بینی پرشاد اور آخر میں ایک انگریز میجر کنگ سے انگریزی پڑھ کر مہارت حاصل کی محنت کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کیا ایک بیکری میں میدہ گوندھنا پڑا یہ کام بڑا سخت تھا لیکن طاقت، ہمت اور کام کی لگن میں نہ کوئی کام دشوار معلوم پڑا نہ سخت کیک، پیسٹری بسکٹ، چاکلیٹ، سگریٹ، ماچس، ٹرے میں رکھ کر کافی شاپ میں پھیری بھی لگائی اسی طرح کے کاموں میں مجھے بڑا تجربہ حاصل ہوا کبھی ملازمت کی اور کبھی ٹھیکیداروں کے ساتھ کام کیا یہاں تک کہ میں خود گورنمنٹ کنٹریکٹر بن گیا جو لوگ پہلے مجھے حقیر سمجھتے تھے وہی اب میرے آگے پیچھے چلنے میں فخر محسوس کرنے لگے جو پہلے دشمنیاں کرتے تھے وہ اب رفاقت کا دم بھرنے لگے اور یہی دنیاداروں کا چلن ہے تم لوگ بھی تعلیم حاصل کرو، سچائی، ایمانداری، محنت کو اپنا شعار بناؤ آپ کے اکثر دوست کبھی کبھی آپ کو صلاح دیتے تھے بلکہ منع کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پریشانیوں مصیبتوں سے نکال کر عزت دولت شہرت عطا فرمائی ہے تو ان کا تذکرہ اب زبان پر نہ لائیں آپ کہتے کہ کبر ونخوت کا بت شکست کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے کہ اپنی حیثیت کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔

تحصیل کھا گا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ

قصبہ ایرایان کے نظیر الحسن شاہ فتح اللّٰی کے صاحبزادے مظہر الحسن رواب اور داروغہ محمد سعید عرف عدو میاں کے صاحبزادوں کے مابین عرصہ سے مقدمہ چل رہا تھا

ان دنوں تحصیل کھا گا میں ایک ہندو تحصیل دار تھا جو بے حد شریف تھا۔ اس نے ایک خط کے ہمراہ آپ کو مقدمات کے کل کاغذات بھیج دیئے اور اپنے خط میں آپ کو لکھا یہ دونوں فریق اعلیٰ خاندان کے معلوم ہوتے ہیں اور آپس میں خاندانی رشتہ بھی ہے عرصہ سے یہ مقدمہ چل رہا ہے پتہ نہیں کب تک چلے اور ان کا روپیہ پیسہ برباد ہوتا رہے میرے خیال سے آپ کا دونوں فریق احترام کرتے ہیں اور آپ سے توقع ہے کہ جو آپ فیصلہ کریں گے وہ دونوں ضرور قبول کریں گے۔

چنانچہ آپ نے مقدمہ کے کاغذات کا بغور مطالعہ کیا بنیادی سبب مقدمہ کا آپ کے علم میں تھا لہٰذا نتیجہ پر آپ بہ آسانی پہنچ گئے اور طرفین کو شاہپور بلا کر تفصیل بتلائی چنانچہ دونوں فریقوں کے دستخط لئے مقدمہ کا فیصلہ اس پر لکھ کر دونوں میں صلح کرادی اس طرح دو خاندان جو الگ ہو گئے تھے اور آپس میں دشمنی چل رہی تھی پھر ایک ہو گئے اور تنازع ختم ہو گیا۔

داروغہ سمیع الدین کا رپورٹ درج نہ کرنا

جنگ عظیم کے دوران تحصیل دار و دیگر سرکاری افسران بیگار میں بیل گاڑی یکہ، ٹرک اور لاری وغیرہ جبراً کام کے لئے پکڑ لیتے تھے اور کوئی معاوضہ ادا نہیں کرتے تھے چنانچہ حاجی صاحب کے بڑے صاحبزادے سید عبدالماجد صاحب فتح پور سے چلکر کھا گا اسٹیشن اُترے ان کا ذاتی یکہ اسٹیشن سے اُن کو لے کر شاہ پور روانہ ہوا

جب تحصیل کھا گا کی سڑک سے گزار تو چپڑاسی نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور بتلایا کہ ایس۔ڈی۔او استھنا صاحب کا حکم ہے جو بھی بیل گاڑی یکہ لاری گزرے سب کو بیگار کے لئے پکڑ لاؤ چنانچہ سید عبدالماجد صاحب نے چپراسی سے دریافت کیا تم ہم کو جانتے ہو اس نے کہا میں نیا نیا آیا ہوں کسی سے واقف نہیں ہوں آپ نے اس سے کہا ایس ڈی او استھنا سے کہہ دینا کہ شاہ پور کے حاجی صاحب کے بڑے لڑکے ماجد میاں بیگار کیلیئے اپنا یکہ نہیں دیتے یہ کہہ کر وہ شاہ پور کیلیئے روانہ ہو گئے چپڑاسی نے جا کر کہہ دیا استھنا صاحب یکے سے خود کہیں جانا چاہتے تھے لہٰذا ان کو یہ بات بہت ناگوار گزری سیدھے تھانے کھا گا پہنچے اور سمیع الدین صاحب سے بولے ایک رپٹ درج کریں اس نے جو وجہ تھی بتلائی اتنا اضافہ اور اپنی طرف سے کر دیا کہ میرے آدمی کو مارنے کے لئے بندوق اٹھالی۔

سمیع الدین صاحب نے جواب دیا میں شاہ پور کے حاجی صاحب سے بہت اچھی طرح واقف ہوں اور ان کے گھر کے بچے بچے کو جانتا ہوں وہ سب لوگ انتہائی شریف ہیں لہذا میں یہ رپٹ اپنے قلم سے درج نہیں کر سکتا اس نے کہا میں کہتا ہوں رپٹ لکھو سمیع الدین صاحب نے جواب دیا رپٹ لکھنے کا اختیار آپ کو بھی ہے آپ خود لکھ سکتے ہیں چنانچہ اس نے خود ہی رپٹ درج کر لی اس کے جانے کے بعد سمیع الدین صاحب نے بنارس حاجی صاحب کو تار دے کر جو ہوا تھا اس کی اطلاع دے دی۔حاجی صاحب نے تار کے جواب میں لکھا پریشان مت ہو میں آ رہا ہوں۔

چنانچہ آپ بنارس سے سیدھے الہ آباد کمشنر سی ڈی ونکٹن چاریہ کے پاس پہنچے اس کو سارا قصہ سنایا اور کہا آپ خود فیصلہ کیجئے ایک امن پسند وفادار شہری کو جو ہر طرح سے گورنمنٹ کے کام آتا ہے کیا مناسب ہے کہ اس کے ساتھ ایسا عامیانہ سلوک کیا جائے۔سواری کی ضرورت تھی تو پرچہ بھیج کر گھر سے منگوا لیتے یہ کیا کہ کرائے پر چلانے والوں کے یکے کی طرح ہم کو بھی بیگار میں پکڑا جائے۔

کمشنر صاحب نے کہا مجھے یہ واقعات معلوم ہو کر افسوس ہوا آپ کی تسلی جس طرح ممکن ہو وہ میں کرنے کو تیار ہوں آپ نے کہا کہ بس اس کی ایک ہی صورت ہے کہ یا تو ایس ڈی او صاحب فتح پور میں رہیں یا سجاد حسین چنانچہ کمشنر صاحب نے رپٹ ختم کرادی اور ایس ڈی او کا تبادلہ بنارس کا ہو گیا۔

سید عبدالماجد کی شادی خانہ آبادی

جب منت اتار دی گئی تو پھر شادی کی تاریخ کا تعین ہو گیا بروز جمعرات 1944ء کو شاہ پور سے سجھ دھج کر رات کو بارات ایرایاں روانہ ہوئی جس میں خاندان کے سب ہی لوگوں نے شرکت کی شہروں سے بھی اعزاء اور احباب آئے تھے کیونکہ حاجی سید سجاد حسین کے کئی لڑکے فوت ہو چکے تھے صرف دو بچے سید عبدالماجد اور ان کے چھوٹے بھائی سید عبدالہادی لہٰذا جتنی بھی خوشی ان کے والد صاحب کرتے اور اہلِ خاندان خوشیاں کرتے وہ کم تھیں کسی چیز کی اللہ کے فضل وکرم سے کمی نہیں تھی لیکن

دولت اور امارت ظاہر کرنے کے خیال سے کوئی نئی چیز کی گئی نہ گاؤں کے رسم و رواج میں کوئی ایسا طریقہ برتاؤ گیا جس سے تفاخر کی جھلک بھی ہو۔

سید عبدالہادی

قدرت نے ان کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا وہ بیک وقت خطاط، فوٹو گرافر، ہاکی، کرکٹ اور فٹبال کے بہترین کھلاڑی اور پینسل sketch میں ماہر تھے۔ غریبوں کے ہمدرد اور دوستوں کے سچے رفیق تھے۔ سبھی خوبیاں تھیں مگر قدرت سے حیات کم لائے تھے۔ جس کا سب کو صدمہ اُٹھانا پڑا۔ رضیہ خانم، طلعت النساء، فرزانہ خاتون تو ہمیشہ کے لیئے سوگوار ہو گئیں۔ طلعت کی شادی کمال احمد اور فرزانہ کی شادی کمال احمد کے حقیقی بھائی نہال احمد سے ہوئی۔ سید عبدالہادی کا انتقال 19 جولائی 1957 بروز جمعہ شاہ پور میں ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

سید عبدالہادی کی نسبت اپنے پھوپی زاد بہن رضیہ خانم سے بچپن ہی سے بزرگوں نے طے کر دی تھی رضیہ خانم کی والدہ منیر النساء زوجہ محمد فاضل دائم المریض تھیں ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو اُنہوں نے رضیہ کی فرض ادائی کے لئے اپنے بھائی حاجی سید سجاد حسین سے کہا چنانچہ ۱۹۴۸ء میں یہ شادی سادگی کے ساتھ انجام کو پہنچی اسی سال عبدالہادی صاحب نے مسلم اسکول فتح پور سے سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا پھر حلیم کالج کان پور میں داخلہ لیا اور حلیم بلڈنگ میں قیام کیا باورچی شکور بابا ان

کی دیکھ بھال اور کھانا پکانے کے لئے تھے۔

کچھ عرصے بعد سید عبدالہادی صاحب علی گڑھ یونیورسٹی چلے گئے موریس کورٹ اور ایس ایس ویسٹ ہوسٹل میں قیام کے دوران کامرس میں انٹر کرلیا تھا۔ بی کام کا پہلا سال تھا مرگی کے دورے تو ان کو شادی کے فوراً بعد شروع ہو گئے تھے جو اب شدت پکڑ چکے تھے لہٰذا ان کو یونیورسٹی سے مکان بھیج دیا گیا کہ علاج کرالیں اور تندرست ہونے پر دوبارہ تعلیم کے لئے داخلہ لیں لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی پاکستان کے فدائیوں میں تھے اور پاکستان آنے کے لئے آئے دن تیار رہتے تھے مشرقی اور مغربی لباس دونوں پر خوب سجتے تھے جہاں خاندان کا کوئی فرد عازم پاکستان ہوتا وہ اپنی ضروریات کا سامان پیک کر لیتے مگر ان کی حالت ایسی تھی کہ آسانی سے سفر نہ کر سکتے تھے اسلئے کوئی نہ لاتا اور وہ پچھتاتے رہ جاتے۔

حاجی سید سجاد حسین کے ہمراہ ان کے چھوٹے صاحبزادے سید عبدالہادی شاہپور سے کراچی کے لئے روانہ ہوئے ہمراہ منشی ابوظفر صاحب مرحوم بھی تھے عزیزم سید عبدالہادی مرگی کے دوروں کے سبب دماغی الجھاؤ میں بھی مبتلا ہو گئے تھے لکھنؤ اسٹیشن پر سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں ان کو بٹھلا کر حاجی صاحب ابوظفر صاحب کو کہہ گئے کہ خیال رکھنا میں ابھی آتا ہوں پتہ نہیں کس لمحہ عبدالہادی پچھلے دروازے سے نکل گئے حاجی صاحب چند منٹ بعد واپس آئے تو عبدالہادی کو نہ پا کر ابوظفر صاحب سے دریافت کیا اُنہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور قریب میں تلاش کیا پورا اسٹیشن چھان مارا وہ

کہیں نہ نظر آئے تو پھر انتہائی پریشانی لاحق ہوئی تلاش کا ہر ذریعہ استعمال کیا گیا۔ منادی کرائی گئی، ریڈیو پر اعلان کرایا گیا حاجی صاحب اور عبدالہادی کے بڑے بھائی سید عبدالماجد صاحب لوگوں سے پوچھتے پوچھتے جدھر جو بلاتا ادھر پہنچتے عبدالہادی لکھنؤ اسٹیشن سے نکل کر پیدل چلتے چلتے ٹھوکریں کھاتے بھوکے پیاسے اُناؤ (UNNAO) تک نکل گئے، ۱۷ ستمبر ۱۹۵۶ء کو ۱۱ بجے دن کو اسٹیشن لکھنؤ سے گم ہوئے تھے ۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء کو کانتھا ضلع اناؤ میں ملے داستان لمبی اور غم انگیز ہے بہر حال بڑی خوشی منائی گئی ان پر سے صدقات اتارے گئے غرباء کو کھانا کھلایا گیا۔

افسوس کے دس ماہ بعد ۱۹ جولائی ۱۹۵۷ء مطابق ۱۳۷۶ بروز جمعہ کل ۲۶ عمر پاکر انتقال کر گئے۔

شاہپور میں گائے کی قربانی کا قضیہ

جس سال ہندوستان آزاد ہوا اور پہلی بقرعید پر لوگوں نے ہر سال کی طرح قربانی کے لئے گائے خریدی تھی تو عید سے ایک دن قبل مغرب کے وقت منادی کے ذریعہ مسلمانوں کو خبر دی گئی کہ بھارت سرکار نے گائے کی قربانی کو ممنوع قرار دے دیا ہے بکری بھینسے وغیرہ کی قربانی پر پابندی نہیں ہے چونکہ سبھوں نے جانور (گائے) خریدی تھی لہٰذا پریشانی کا سامنا تھا حاجی صاحب اسی وقت اپنی کار سے فتح پور گئے کلکٹر اور ایس پی سے ملکر منادی کی خبر بتلائی اور کہا ابھی یہ مسئلہ اسمبلی میں تو پیش بھی

نہیں ہوا پھر یہ حکم یا منادی کیسی ایس پی اور کلکٹر صاحب نے کہا منادی غلط ہوئی ہے، ہم لوگوں کی طرف سے ایسی منادی کس کے کہنے سے ہوئی ہے؟ کسی نے بتلایا، تھانہ ہتگام کے بڑے داروغہ نے حکم دیا تھا۔

چنانچہ پرچہ بھیج کر تھانے دار کو بلوایا وہ آیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ جب آپ کو اوپر سے کسی قسم کے احکامات نہیں ملے تو مذہبی معاملات میں داخل اندازی کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا بے شک اوپر سے کوئی حکم نہیں آیا لیکن اندیشہ ہے کہ گائے قربانی سے ہندو جاتی کے لوگ برہم ہوں اور دنگا فساد برپا کر دیں میں نے نقص امن کے اندیشے کے سبب یہ منادی خود کرائی ہے اگر آپ یہ ذمہ داری لیں کہ کوئی فساد قرب جوار میں نہ ہوگا تو بیشک گائے کی قربانی کریں۔ حاجی صاحب نے کہا امن وامان برقرار رکھنا تو آپ کا فرض ہے لیکن میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں قرب وجواب کے کچھ لوگ جمع تھے کی قربانی کے معاملے میں کیا طے ہوتا ہے آپ نے سب سے کہہ دیا اپنے اپنے گھر جاؤ اور بعد نماز جیسے ہر سال قربانی کرتے ہو کرو اس پر دھیان رکھنا کہ کسی قسم کا جھگڑا نہ ہونے پائے بقر عید والے دن صبح ہی صبح داروغہ تھانہ ہتگام سے آکر حاجی صاحب کے آفس میں بیٹھ گیا بعد نماز سبھوں نے قربانی کی شام تک بخیر خوبی قربانیاں ہوئیں اور کہیں کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آیا مہا بیر حلوائی کے یہاں سے حاجی صاحب نے اس کے ناشتہ اور دوپہر کے بھوجن کا انتظام کر دیا تھا پنڈت شیو بھوگن نے کھلانے اور پروسنے کی ذمہ داری پوری کی۔

بھتیجے سید ارشاد حسین کی حادثاتی موت

آپ کے حقیقی بھتیجے سید ارشاد حسین پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھے ملازمت کا زیادہ عرصہ الہ آباد میں گزرا پھر اٹاوہ تبدیل ہو گئے وہاں تھانہ بہرتنہ میں تھے کسی مہاجن کے یہاں بارات آنے کو تھی مہاجن کو کسی نے اطلاع دی کہ شادی کے دن تمہارے یہاں ڈاکہ پڑنے والا ہے چنانچہ اس نے حفاظت کے لئے تھانہ والوں سے مدد چاہی ایک تھانہ دار اور ارشاد حسین اور دو کانسٹیبل مہاجن کے یہاں حفاظت کے لئے تعینات ہوئے کھانا کھا کر گھر سے تھانہ کے لئے روانہ ہوئے ان کی بیگم اختری صاحبہ دروازہ تک آئیں اور کھڑی رہیں اُنہوں نے بھی جاتے جاتے مڑ مڑ کر کئی بار اہلیہ کو دیکھا پھر چلے گئے مہاجن کے گھر کے پاس ایک خالی مکان تھا اور اندھیرا بھی تھا ارشاد صاحب کو کچھ شبہہ ہوا کہ اس مکان کے کوٹھے پر شاید کچھ لوگ ہیں چنانچہ اُنہوں نے بلند آواز میں دریافت کیا کون ہے پھر کوٹھے کی طرف دیکھنے کے لئے ٹارچ روشن کیا روشنی ہوتے ہی فائیر ہوا گولی ارشاد حسین کے سینے پر لگی کہا مجھے غسل کرا دو غسل سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے چچا حاجی سید سجاد حسین صاحب کا پتہ دیا کہ میری موت کی جلد سے جلد اطلاع کر دینا یہ اور پڑھنے لگے

جب دم واپسی ہو یا اللہ

لب پہ ہو لا الہ الا اللہ

کہ روح تفسِ عنصر سے پرواز کر گئی ایس پی اٹاوہ نے اس کی اطلاع ایس پی

فتح پور کو ذریعہ تار دیا یہ تار فتح پور سے ایک اسپیشل پولیس میسنجر لے کر شاہ پور آیا ہم لوگ باہر کے چبوترے پر کھانا کھا رہے تھے کہ پولیس میسنجر آیا لیکن اس نے تار دیا نہیں الگ تخت پر بیٹھا رہا اس کو اندر سے کھانا لا کر دیا گیا اس نے کھایا بعد کو تار دیا تار کی خبر سے گھر میں کہرام مچ گیا حاجی صاحب صبح اٹاوہ گئے وہاں ایس پی اور افسران بالا پولیس سے ملاقات کی پوسٹ مارٹم میں ان کے سینے سے چھوٹے بڑے ۲۸ چھرّ ے نکالے گئے انکی لاش کو پورے پولیس اعزاز کے ساتھ سلامی دے کر نماز جنازہ کے بعد جس گھر میں وہ رہتے تھے اس کے دوراز ے پر دفن کیا گیا حاجی صاحب نے ان کی بیوہ کے لئے پینشن اور بچوں کے لئے وظیفہ کی کوششیں کیں لڑکوں میں سید سرفراز حسین نوجوان تھے سید شمشاد حسین، سید آفاق حسین، سید اخلاق حسین سید محمد حسین سب خورد سال تھے ایک لڑکی صفدری شادی کے قابل تھی زرینہ اور نجمہ چھوٹی تھیں گورنمنٹ نے پنشن اور پولیس میڈل تو نہیں دیا لیکن وظیفہ سب کا مقرر کر دیا حاجی صاحب اختری بیگم اور سب بچوں کو شاہ پور گھر لا رہے تھے مگر وہ لوگ نہیں آسکے اور عدت گزار کر اہلیہ ارشاد حسین صاحب نے آنے کو کہا سرفراز حسین کو پولیس میں بھرتی کر لیا گیا بارش کے زمانے میں سید ارشاد حسین کی قبر کا اوپری حصہ کھل گیا تو کفن صاف اور بے داغ لوگوں نے دیکھا کیا پتہ اللہ تعالی نے ان کو شہادت کا رتبہ عطا کیا ہو۔

یہ واقعہ ۸ جولائی ۱۹۵۳ء کو پیش آیا اس دن بازار اور دوکانیں ان کے سوگ میں بند رہے پبلک اور تجارت پیشہ افراد نے لڑکی کی شادی کے لئے رقم کی تھیلی ان کی

بیوہ کو پیش کی حاجی صاحب نے بھی ان کی ضروریات روزمرہ کے لئے انتظام کر دیا تھا۔

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

کئی معتبر اصحاب نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے کہ لکھنؤ کے گلی کوچوں میں ایک چکوا زینوں نامی چھابڑی میں بکرے کا گوشت سر پر لے کر نکلتا تھا اور آواز لگا کر فروخت کرتا تھا میرٹھ میں اس کے برادری کے لوگ تھے جن کا شمار بڑے دولت مندوں میں ہوتا تھا حسن اتفاق زینو کی شادی انہیں کے یہاں ہوگئی ان لوگوں نے زینوں کو اپنے پاس رکھ لیا اور چھوٹے موٹے تجارتی کاموں میں لگا دیا آدمی عقلمند تھا چل نکلا تجربہ کے ساتھ ساتھ کامیابی اور ترقی ہوتی گئی کہتے ہیں دولت عقل بڑھا دیتی ہے چنانچہ چند سالوں میں گورنمنٹ کنٹریکٹر ہو گیا لکھ تو نہیں پاتا تھا لیکن انگریزی فراٹے سے بولنے لگا حاجی سید سجاد حسین صاحب نے اس کے یہاں کام کیا تھا ان کا بیان تھا کہ کام میں سب سے پہلے حصہ مجھے اسی کے یہاں سے ملا تھا بلکہ وہ اس کو اپنا محسن بتلاتے تھے ٹھیکیداری میں جیسے جیسے اس نے ترقی کی اور دولت کمائی اس کے مدارج بڑھتے گئے پہلے زینو تھا پھر زین الدین اس کے بعد زیڈا ے دین کہلانے لگے دولت کی ریل پیل کے سبب طور طریقے بھی تبدیل کر دیئے اور بڑی بڑی تنخواہوں پر انگریز ملازم رکھ لیتے کوئی کھانے کا انتظام کراتا کوئی حقہ بھرانے کے لئے کوئی گاڑی

ڈرائیو کرنے کے لئے تو کوئی ڈریس تبدیل کرانے کے لئے حاجی سید سجاد حسین کچھ عرصہ بعد اپنا کام خود کرنے لگے تھے۔

ادھر زین الدین کے اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا آمدن بھی بے حد تھی ریس کھیلنے جاتے تو کار کی ڈگی میں نوٹوں کے بنڈل رکھ کر لے جاتے اپنی قوم کے علاوہ گورکھوں میں بھی شادی کی۔ انگریزوں میں بھی شادی کی ایک شادی پارسی قوم میں بھی کی کہا جاتا ہے کہ سگائی کا جو ہار پارسی عورت کے گلے میں ڈالا تھا وہ اس ارزانی کے دور میں قیمتی پتھروں کے سبب ۲۵ ہزار کا تھا جب مزدور کی مزدوری ایک آنہ یومیہ تھی جب بارات لے کر گئے تھے تو پورا سیلون لے گئے تھے دن عید اور رات شب برات کی طرح گزر رہے تھے کہتے ہیں جب برے دن آتے ہیں تو کہہ کر نہیں آتے ملٹری کے کسی انگریز افسر سے کسی سلسلہ میں تلخ کلامی ہوئی آپ نے اس کو جھانپڑ رسید کر دیا اس وقت انگریزوں کا عروج تھا اور ہندوستان میں ان کے پنجے مضبوطی سے گڑے ہوئے تھے فوراً ایکشن لیا گیا بڑے زور شور سے مقدمہ چلا سزا سے تو کسی نہ کسی طرح بچ گئے لیکن جائیداد اور بینک بیلنس سب گورنمنٹ نے ضبط کر لیا اور ٹھیکیداری سے نام کاٹ دیا گیا اس زمانہ میں حاجی صاحب کا کام کئی جگہ تھا اور وہ دہلی میں تھے پتہ نہیں گردش تقدیر نے زین العابدین کو کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھلا کھلا کر بے حال کر دیا تھا وہ چکیوں کے ساتھ بکروں کی دار لایا کرتے تھے اس سے ان کو کچھ مل جاتا تھا ایک دن سب مال لانے والے اپنا اپنا پیسہ لے کر چل دیئے بوچری دفتر سے جب سجاد

حسین صاحب نکلے تو اُنہوں نے سلام کیا حاجی صاحب نے سلام کا جواب دیا اور آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ زین العابدین صاحب نے کہا سجاد حسین صاحب آپ نے مجھے نہیں پہچانا آواز کا لہجہ سنتے ہی آپ نے پہچان لیا بغل گیر ہوتے ہوئے ان کی حالت پر آبدیدہ ہو گئے اپنے ساتھ گھر لے گئے غسل کروا کر کپڑے تبدیل کروائے کھانا ساتھ ساتھ کھایا پھر ان کے حالات معلوم کئے اُنہوں نے پوری سرگزشت سنائی حاجی صاحب نے پوچھا آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں بلا تکلف بتلایئے اس وقت میرے پاس کام ہیں چنانچہ ان کو چلتا ہوا ہوٹل معہ ساز وسامان اور جنس پانی کے سپرد کر دیا اور نقد رقم سے امداد بھی کی اور کہا آپ کی بیگمات کہاں ہیں اور وہ پارسی بیوی ہے کہ نہیں ہے اُنہوں نے جواب دیا جب وقت نے پلٹا کھایا تو وہ بھی پلٹ گئیں پارسی بیوی تنہا ساتھ دے رہی ہے اس کے بھائی اس کے خیال سے ہماری مدد کرتے ہیں اور ایک خاندان میں جو شادی ہوئی تھی وہ بھی اچھی تھیں۔

کان پور ٹینری میں مینیجر

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو انہیں ایسا نشہ آزادی چڑھا کہ شراب پر پابندی عائد کرنی پڑی لیکن مسلمانوں کو آزار پہنچانے ان کی املاک کو ضبط کرنے ان پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا ایسا نشہ سوار تھا جو کسی صورت سے کم ہی نہیں ہوتا تھا اور بے شمار مسلمان اس کے شکار تھے چنانچہ مصباح الاسلام صاحب کی کانپور

ٹینری جو مالی اعتبار سے عمدہ مشینوں کے کارکردگی میں شہرت رکھتی تھی اس کے مینیجر عبدالجبار صاحب تھے جو ہندوستان کے حکمرانوں سے دہشت کھا کر یا جس وجہ سے بھی کانپور ٹینری سے کراچی چلے گئے بدرالسلام صاحب نے جو مصباح الاسلام صاحب کے بڑے بھائی تھے اُنہوں نے حاجی سید سجاد حسین صاحب کو لکھا کہ آپ کانپور ٹینری کو وہاں جا کر سنبھالیئے اور کام چلائے حاجی صاحب کانپور ٹینری پہنچ گئے ٹینری میں زیادہ تر تو مسلمان ہی تھے کام چلنے لگا لیکن وہی سرکاری ہندو افسران ہر جگہ ہر شہر میں پریشانی کا سبب بنے ہوئے تھے راقم الحروف کا وہ دور تعلیمی تھا فتح پور مسلم اسکول میں تعلیم حاصل کرتا تھا وہیں حاجی صاحب کے چھوٹے صاجزادے سید عبدالہادی اور خانصاحب سید محمد فاروق کی چھوٹے صاجزادے سید محمد الطاف اور سید محمد زبیر صاحب کے صاجزادے سید ریاض بخاری افسوس کہ یہ تینوں عالم جوانی میں اللہ کو پیارے ہوگئے ایک ہی گھر میں سب کا قیام اور ایک اسکول میں تعلیم کا سلسلہ تھا ایک صبح اخبار میں خبر پڑھی ''کانپور ٹینری پر پولیس کی بھاری جمعیت کا چھاپہ''۔

ہر طرف سے پولیس کے بڑے بڑے افسران اور سپاہیوں نے کانپور ٹینری کو گھیرے میں لے لیا اس میں ہمارے خاندان کے داروغہ سید اسرار احمد اور سید عبدالواجد صاحب بھی تھے ٹینری کی تلاشی بہت سخت ہوئی وہاں لمبے چاقو اور بلم برآمد ہوئے بلم چوکیداروں کے پہرہ دینے کے تھے چاقو مشین میں فٹ کر کے کھال میں جو گوشت ہوتا تھا اس کو نکالنے اور چھانٹنے کے کام آتے تھے اخبار میں کاتب کی غلطی

سے بلم کے بجائے بم چھپ گیا یہ خبر ہم لوگوں کے لئے پریشان کن تھی خدا کا شکر ہے کہ کوئی کیس نہیں بنا، آفت رسیدہ بود۔ ولے بخیر گزشت‘‘۔

کان پور ٹینری کی فروخت

جناب بدرالاسلام صاحب نے کراچی سے حاجی صاحب کو اطلاع دی کہ ٹینری میں نے فروخت کر دی ہے یہ لوگ بنگالی ہندو ہیں عام طور پر بنرجی چٹرجی ایک مکھرجی کہلاتے ہیں موہن چٹرجی کا لڑکا ہے یہ تینوں آپ کے پاس آئیں گے میرا خط ہوگا طے شدہ قیمت ان سے لے لینا قیمت کیا ہے سمجھو مفت ہوگی لیکن بھاگے بھوت کی لنگوٹی ہے سوائے صبر کے اور کیا ہوسکتا ہے آپ جب تک یہاں مستقلاً نہیں آرہے ہیں میں اپنے کو بے بازو والا انسان سمجھتا ہوں مسائل ہی مسائل قدم قدم پر درپیش ہیں بہر حال ایک نہ ایک دن تو آپ کو میری خاطر اور اپنے بچوں کی خاطر آنا ہی ہوگا کچھ عرصہ کے بعد یہ تینوں کانپور ٹینری پہنچے اور کروڑوں روپے کی عالیشان ٹینری عمارت اور مشینری صرف ۲۹ لاکھ روپے میں خرید لی حاجی صاحب کو اتنی کم قیمت پر ٹینری فروخت ہونے کا بہت قلق تھا وہ کہتے تھے اس قیمت پر میں خود اس کو لے لیتا بہرحال ٹینری فروخت ہوگئی اور رقم مل گئی۔ یہ رقم حاجی صاحب نے بدرالاسلام صاحب کو خود پہنچائی۔

آخری دور ملازمت

پاکستان آنے کے بعد کچھ عرصہ لاہور میں کام کیا اُس کے بعد لائل پور (فیصل آباد) کی اسپنسرز اینڈ کمپنی (SPENCR) کے مینیجر مقرر ہوئے۔ اسپنسرز اینڈ کمپنی کی کئی برانچیں تھیں۔ یہاں اسکی ایک شاخ تھی جو لاہور اسپنسرز کے زیرِ نگرانی تھی اچھی خاصی ذاتی عمارت میں تھی جہاں شروع شروع سرد خانہ قائم کر کے آلو کے بیج محفوظ کئے جاتے تھے اس کمپنی میں بدرالاسلام صاحب نے حاجی صاحب کا تقرر بحیثیت مینیجر کر دیا وہاں رہنے کے لئے کمپنی کی جانب سے بنگلہ تھا آب و ہوا کے اعتبار سے جگہ اچھی تھی چونکہ ٹھیکے داری کے زمانے میں پنجاب کے شہروں میں کئی کئی سال قیام رہتا تھا جس کے سبب پنجابی برادری میں حلقہ احباب وسیع تھا جس کے سبب ان کو وہاں کس قسم کی دقت محسوس نہیں ہوئی اور کام و ملازمین کمپنی پر پوری پوری دسترس تھی اس کمپنی کے کام میں بھی رفتہ رفتہ اضافہ ہوا اور منافع بھی کافی بڑھ گیا اس میں A.B. بسکٹ فیکٹری کی ایجنسی بھی لی گئی۔ کراچی کی مختلف دوا ساز اداروں سے بھی ایجنسی لیں غرض کام اور اسٹاف میں اضافہ ہو گیا یہاں کے اعلیٰ اور ادنیٰ ورکرز کے ساتھ آپ کا سلوک ایسا تھا جیسے اپنے گھر کے فرد ہوں چنانچہ وہ دل و جان سے محنت کرتے اس طرح لائل پور برانچ کی کارکردگی کی شہرت دیگر شاخوں میں ہوئی اور اس کا اعزاز حاجی صاحب کو ملا لاہور والی اسپنسرز کمپنی جس کے زیرِ نگرانی لائل پور اسپنسرز تھی اب آزاد تھی اور حاجی صاحب کو کلی اختیارات تھے۔

کراچی کمپنی کی یونین کے ذمے دار عہدے داران یونین سازی اور ممبر بنانے کے لئے لائیل پور اسپنسرز کمپنی گئے حاجی صاحب نے ان کو ہوٹل میں ٹھہرنے نہیں دیا بلکہ اپنا مہمان رکھا ان لوگوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا حاجی صاحب نے کہا آپ جس لئے آئے ہیں اپنا کام کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے چنانچہ اُنہوں نے وہیں لان میں اجتماع کیا اور ورکروں سے ممبر بننے کے لئے کہا۔

چنانچہ ان تمام ورکروں نے مشترکہ طور پر یہ جواب دیا کہ یونین کی ضرورت اس کمپنی میں ہوتی ہے جہاں کے افسران کا رویہ اپنے محنت کشوں کے فوائد کے منافی ہو یا جہاں ان کے حقوق کی حق تلفی کی جاتی ہو یا بدسلوکیاں کی جاتی ہوں جب ہمیں ہر طرح کا آرام ہے اور کمپنی بھی کارکردگی کے اعتبار سے اچھی چل رہی ہے تو یہاں یونین یا ممبر سازی کی ضرورت نہیں ہے جب ہم کو ضرورت ہوگی ہم آپ سے خود ہی مدد طلب کریں گے اس انداز میں ورکرز سے جواب پا کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے ان لوگوں کی نظروں میں حاجی صاحب کی وقعت بڑھ گئی الغرض حاجی صاحب کے دوران ملازمت وہاں کوئی یونین نہیں بنی اور نہ کوئی تنازعہ ملازمین اور کمپنی کے مابین کھڑا ہوا اور یہ ایک مثالی چیز تھی عمر کے اعتبار سے وہ اب ضعف بصارت میں مبتلا تھے اس لئے اُنہوں نے کمپنی سے ملازمت ختم کرنا چاہی لیکن کمپنی نے یہ منظور نہیں کیا چنانچہ گوجرہ میں اُنہوں نے اپنی آنکھ کا آپریشن کرایا اسی دوران راقم الحروف کی والدہ منیر النساء زوجہ سید محمد فاضل جو آپ کی حقیقی چھوٹی بہن تھیں ہندوستان سے آکر کچھ عرصہ بھائی

کے پاس لائیل پور ٹھہر گئیں اور ان کا انتقال بھی اسی دوران ہوا جب حاجی صاحب کی آنکھ کا آپریشن گوجرہ میں ہو چکا تھا اب سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ طرفین کی دلی محبت یا خون کا اثر حاجی صاحب کا کہنا تھا کہ آپ ہی آپ دل بھر آیا اور آنکھ سے دیر تک آنسو بہتے رہے جس کے نتیجے میں آنکھ کے پردے پر اس کا اثر پڑا ان کو بہن کے انتقال کی خبر سے بے خبر رکھا گیا ان کے صاحبزادے حاجی سید عبدالماجد صاحب لاڑکانہ میں کامران بیکری اینڈ فوڈ پراڈکٹس کے انتظامات میں مصروف تھے گھر پر نور چشم ساجد سلمہ چھوٹے تھے راقم الحروف کے والد سید محمد فاضل صاحب دادا سراج الحق ایام ضعیفی کے آخری حدوں میں تھے لیکن کمپنی کے ورکروں نے کسی قسم کی پریشانی نہ ہونے دی سرگرہ مل کے مالک نے اس روز حاجی صاحب سے ہمدردی اور غمگساری کے لئے اپنے مل میں چھٹی کر دی بہر حال کافی مجمع ہو گیا تھا گلاب کے پھولوں سے جنازہ ڈھک گیا حسن اتفاق مرحومہ کو اسٹیشن سے ملحق کسی بزرگ کا ایک چھوٹا احاطہ قبر تھا انتہائی سر سبز شاداب اور حفاظتی باڑھ بھی تھی وہاں جگہ ملی اور وہ وہیں آسودہ خواب ہیں، جب حاجی صاحب گوجرہ سے واپس آئے تو سیدھے بہن کے کمرے میں گئے ذرا دیر کھڑے رہے زیر لب کچھ پڑھا کسی سے کچھ دریافت نہیں کیا پھر اپنے کمرے میں آگئے ان کے صبر وضبط کا یہ عالم تھا اور اس سے بڑھ کر صبر وضبط و تحمل اور راضی بہ رضائے الٰہی پر قائم رہتے ان کو اپنے لائق اور جواں سال صاحبزادے عبدالہادی کے انتقال پر دیکھا ہے۔

آپ کی بہن منیر النساء کا انتقال ۸ نومبر ۱۹۵۸ء کو ہوا۔

''نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں''

حاجی صاحب محض حاجی یا ملاّ نہ تھے وہ انتہائی روشن خیال عالی ظرف مسلمان تھے وہ بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت کو ضرور جاتے تھے فاتحہ خوانی کے لئے عقیدت رکھتے تھے خواجہ بختیار کاکی کے مزار مقدس پر اکثر حاضری دیتے تھے ان کے بڑے اچھے پڑھے لکھے شریف دوستوں نے مجھے بتلایا ہے کہ جب ہم لوگ ٹولی کی شکل میں مزار پر جاتے تھے تو سواری سے کئی فرلانگ پہلے پیدل ہو جاتے تھے حاجی صاحب بڑے والہانہ انداز میں مثنوی مولانا روم انتہائی مترنم لب ولہجہ میں پڑھتے تھے اور ہم لوگ کیف وسرور کے عالم میں ڈوبے ہوئے مزار مبارک تک پہنچ جاتے تھے اور تھکن کا احساس بھی نہ ہوتا تھا وہ قوالی بھی سنتے تھے لیکن تو عام جگہوں پر نہ عام قوالوں سے وہ قوالی کے قواعد اور حدود کی پابندی کرتے تھے۔ ہر وقت یا بار بار نصیحت کے طور پر کسی کو نہیں ٹوکتے تھے لیکن جس کسی کو نصیحت موقع سے کر دی تو پھر تیر نشانے سے خطا نہیں ہوتا تھا مخاطب کا ظاہر و باطن ہی تبدیل ہو جاتا تھا ایک دو حقیقی واقعے کا ذکر بطور مثال میں خود درج کروں گا پہلے واقعہ کا میں خود عینی شاہد ہوں دوسرا واقعہ اُنہوں نے مجھ سے خود بتلایا تھا لیکن شرط لگا دی تھی کہ تم اس کو میری زندگی میں بطور مضمون کسی رسالے میں نہ لکھو گے چنانچہ میں نے نہ تو ان کی زندگی میں لکھا نہ کسی رسالے میں

اشاعت کے لئے روانہ کیا اب جب کہ انکی سوانح لکھ رہا ہوں جو کتابی شکل میں ہے تو اس واقعہ کو شائع کرنے کا جواز میرے ہاتھ آ گیا ہے اور اس کے لئے اُنہوں نے منع بھی نہیں کیا تھا غالبًا میرا یہ فعل قابلِ نفرین تصور نہ کیا جائے گا۔

پہلا واقعہ

قصہ ایرایان کے سید افتخار احمد عرف بچھن میاں کا ہے یہ ہمارے خاندانی افراد میں سے تھے برادرم حاجی سید عبدالماجد صاحب کے دور کے سسرالی رشتے دار تھے بڑے باغ و بہار انتہائی خوش مزاج تماش بین پینے پلانے میں بھی گریز نہیں غرض آزادی مزاج کا مکمل نمونہ تھے مگر اپنے پر اتنا کنٹرول رکھتے تھے کہ محلّہ میں یا گاؤں میں ایسا فعل سرزد نہ ہو کہ لوگ انگشت نمائی کریں یہ حصول معاشی کے اعتبار سے موٹر ڈرائیور تھے اور مانے ہوئے مکینک بھی کبھی بیکار نہیں رہے، نماز، روزہ، دین داری سے کوئی سروکار نہیں اپنی زندگی شہنشاہ بابر کے اس مقولے کے تحت بسر کرتے تھے۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

حاجی صاحب کے یہاں شاہپور میں ایک لاری اور ایک فورڈ کار تھی اس زمانے میں یہ بیکار تھے چنانچہ بھائی عبدالماجد صاحب نے ان کو اپنے یہاں ڈرائیور رکھ لیا کئی سال گزر گئے ایک روز شام کو حاجی صاحب نے ان کو اپنے کمرے میں بلا کر کچھ دیر باتیں کیں بچھن بھیا نہانے سے بہت ڈرتے تھے لیکن اُنہوں نے غسل کیا کپڑے بدلے اور حاجی صاحب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھنے گئے سب کو تعجب کے

ساتھ ساتھ ایسی حقیقی مسرت حاصل ہوئی جیسے کوئی غیر مذہب اسلام میں داخل ہوگیا ہو
بچھن بھیا میں یہ صفت تھی کہ وہ بچے بوڑھے جوان سب کے دوست تھے سب سے بے
تکلف سب کے ہمدرد میں نے پوچھا۔آپ نے نماز شروع کر دی ہے حاجی صاحب
سے کیا باتیں ہوئیں بولے بیٹے اشرف کیا بتاؤں حاجی صاحب نے یہ سمجھو کہ بچھن کو
چاروں شانے چت کر کے سب کس بل نکال دیئے مجھے بڑے سوچ بچار والے انداز
میں بولے آپ سے کام ہے اور وہ میں آپ کے علاوہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا اور کوئی
دوسرا اس کو کر بھی نہیں کر سکتا بچھن بھیا کا بیان تھا کہ میں دل ہی دل میں بے حد خوش
ہوا کہ یا اللہ میں ایسی صفت کا انسان ہوں جو حاجی صاحب جیسا انسان مجھ سے اس
انداز میں کہہ رہا ہے چنانچہ میں نے کہا آپ حکم کریں انہوں نے کہا پہلے پختہ وعدہ کرو
میں نے وعدہ کر لیا پھر کیا تھا اُنہوں نے کہا شام کا وقت ہے کیسی سہانی شام ہوئی ہے
فرض سمجھ کر نہیں ویسے ہی دل بہلانے کو عصر کی نماز پڑھ لیا کرو آگے اللہ مالک ہے
چنانچہ عصر کی نماز انہی کے پیچھے پڑھی اب تو بچھن بھیا کی کایا ہی پلٹ گئی پابندی سے
نماز پڑھنے لگے جیسے اذان کے انتظار میں ان کے کان کھڑے رہتے تھے۔ان کی اس
تبدیلی پر گھر باہر والے سب خوش تھے اور متعجب بھی ان کے ٹولی والے ان پر ہنستے تھے
آوازیں بھی کستے تھے کوئی کہتا کہ نوسو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔کوئی کہتا نئے نمازی
گولر کی تسبیح ، بہر حال یہ سب آوازیں سن کر پی جاتے اب ان پر تو دوسرا رنگ چڑھ رہا
تھا حاجی صاحب نے ان سے پوچھا بچھن میاں آپ نے میر امن کی باغ و بہار پڑھی

ہے فوراً جواب دیا ہاں ہاں کئی بار اور طلسم ہوش ربا وہی ضخیم کتاب جس کی چالیس جلدیں ہیں وہ بھی کئی بار پڑھی ہیں اور ناولیں ان کا تو کچھ شمار نہیں اور قرآن مجید اس مرتبہ بچھن بھیا بالکل خاموش ہو گئے آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور جسم پر کپکپی طاری ہو گئی حاجی صاحب نے فرمایا دیکھو کلام مجید کی چند سطریں بامعنٰی پڑھو انتہائی سمجھ بوجھ کر پھر دیکھو اس کی حلاوت اس کی اثر آفریں اس کے سچے قصے اور واقعات اور پھر اپنی تبدیلی چنانچہ اُنہوں نے عمل کیا اب بچھن بھیا پکے نمازی تھے معہ تہجد معہ نوافل معہ فرائض اور قاری قرآن اب نہ وہ نوحے مرثیے محرم میں پڑھتے تھے نہ اس لالچ میں رمضان شریف میں لوگوں کو سحری میں جگاتے تھے کہ ہارمونیم پر گا کر سحری میں جگا کر اور کسی ایک کے یہاں سحری کھائیں گے۔

اب وہ پابند صوم وصلوٰۃ تھے پوری تراویح معہ شبینہ سنتے تھے۔اپنے اس عمل اور معمولات پر وہ سختی سے پابند رہے دوسرے سال وہ رمضان المبارک میں ریاضت الٰہی میں ایسے سراپا غرق ہوئے کہ کچھ نہ پوچھو ڈاڑھی پہلے بھی تھی لیکن اب اس ک دلآویزی قابلِ دید تھی وہ رمضان المبارک میں اعتکاف میں بھی بیٹھے چاند نکلنے پر گھر آئے ایسا محسوس ہوتا تھا منارہ نور بن کر اعتکاف سے نکلے ہیں عید کے دن نماز عید ادا کی سب سے ملے جلے دوسرے دن طبعیت خراب ہوئی دوائیں ہوئیں ہفتہ عشرہ بیمار رہے افاقہ نہیں ہو رہا تھا دوا جاری تھی اس دن شاہپور سے حاجی صاحب اسلام الحق صاحب، فاروق صاحب حافظ افتخار احمد صاحب ان کو دیکھنے گئے کہ اگر ضرورت ہو تو

شہر علاج کے لئے روانہ کیا جائے گھر میں ہر طرح کی سواری موجود تھی لیکن پتہ نہیں کیوں ایرایان یہ سب لوگ پیدل گئے ان کے پاس پہنچے وہ چادر اوڑھے لیٹے تھے جب حاجی صاحب نے آواز دی میاں بچھن فوراً چادر ہٹادی سب کو دیکھتے ہی روتے ہوئے ایک چیخ منہ سے نکلی وہ تعظیم کے لئے اُٹھنا چاہتے تھے لکین پورے طور پر بیٹھنے کی سکت نہ تھی سب نے ان کو لٹا دیا تسلی اور تشفی دی گئی طبعیت بحال ہوگئی باتیں کرتے رہے ان کو دیکھ کر حاجی صاحب وغیرہ واپس شاہ پور آئے۔ دوسرے دن پتہ چلا اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے جنازے میں شرکت کرنے والے کثرت سے تھے ہر ایک کی زبان پر تھا دو سال میں کیسی کایا پلٹی کیسا بدلے اپنے سب گناہ بخشوا لئے جنتی تھے بچھن بھیا جنتی۔

ان کی بے راہ روی دیکھ کر جب کوئی ان سے روزہ اور نماز کے لئے کہتا تو یہ شعر پڑھ کر آگے بڑھ جاتے

کیا ہماری نماز کیا روزے　　　بخش دینے کے سو بہانے ہیں

دوسرا واقعہ

آغا حشر کاشمیری کا نام اُردو داں طبقہ اور تھیٹر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے تعارف کا محتاج نہیں ہے وہ اپنی ڈرامہ نگاری کی صلاحیتوں کے سبب بیرونی ممالک میں بھی شہرت رکھتے تھے انتہائی وجیہہ شکل گورے چٹے بڑی بڑی مقناطیسی

آنکھیں ستواں ناک ، بارعب چہرہ، سرخ سفید رنگت پرتھوی راج سے بھی بڑھ کر
مونچھیں، ڈاڑھی صفاچٹ رعب دار گرج کر بولیں تو مقابل کا پتہ پانی ہو جائے، مردانہ
وجاہت اور خوبصورتی کا حسین مجسمہ آواز بلند اور اپنے موقف اور اُصول پر قائم رہنے
والے طمع اور لالچ سے مزاج کو واسطہ نہ تھا محرم الحرام کی ۷ تاریخ تھی آغا کاشمیری حزن
ملال میں مبتلا تھے ایک دولت مند پارسی آ گیا اپنے تھیٹر کے لئے کامیڈی ڈرامہ لکھوانا
چاہتا تھا ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اپنے مطلب کو بیان کیا آغا حشر صاحب نے
ہاں ہوں کہہ کر بات ٹالنی چاہی مگر وہ یہی کہتا رہا کہ مجھے تو آپ دو ایکٹ یا چار ایکٹ
کا کامیڈی ڈرامہ لکھ کر جلد دے دیں اُنہوں نے پھر بھی طرح دی لیکن جب وہ باز ہی
نہ آیا تو آپ نے کہا تجھے معلوم نہیں کہ آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے اور تجھے اپنے
کامیڈی ڈرامے کی پڑی ہے۔ اگر ایک سطر کے ایک لاکھ بھی دے گا تو محرم میں نہیں
لکھوں گا وہ اتنا سا منہ لے کر چلا گیا تعجب ہوگا کہ حاضی صاحب کے دوستوں میں تھے
اور خاص دوستوں میں دونوں کو دوستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ آغا حشر جس کمپنی میں تھے
وہ تھیٹر کا تماشہ دکھلانے شہر الہ آباد آئی آغا حشر کے ڈرامے تو اسٹیج پر دکھلائے جاتے تھے
اُنہوں نے اس ڈرامہ کا اشتہار سجاد الکٹرک پریس (الہ آباد) کو چھاپنے کے لئے دیا یہ
تو سب کو معلوم ہے کہ آغا حشر کا حافظہ بڑے غضب کا تھا چنانچہ جو اشتہار شائع کرنے
کی غرض سے آیا تھا عبارت میں کسی جگہ کچھ خامی تھی جس کو حاجی صاحب نے ترمیم
کر کے درست کر دیا اور اشتہار چھپ کر جب واپس گیا تو آغا حشر صاحب نے اس کو

پڑھا اور فوراً سجاد الکٹرک پریس کے دفتر آدھمکے حاجی صاحب اس وقت دفتر میں موجود تھے آغا صاحب نے ایک سلیک بھی نہیں کیا کڑک دار آواز میں پوچھا میرے اشتہار کی عبارت کس نے کاٹی ہے حاجی صاحب نے بعد سلام کہا عبارت کاٹی نہیں گئی بلکہ یہ ترمیم میں نے کی ہے اُنہوں نے پوچھا آپ کا نام اُنہوں نے بتلایا سید سجاد حسین سارا غصہ کافور ہوگیا بولے ہاں آپ کر سکتے ہیں۔لیکن کوئی دوسرا نہیں یہ تھی ملاقات کی ابتداء پھر تو ربط ضبط خوب بڑھا۔کبھی آغا حشر صاحب ملاقات کو آتے کبھی حاجی صاحب ملاقات کو جاتے حاجی صاحب نے بتلایا کہ ان کی ایک دوست فرانسیسی لیڈی تھی ایسا لگتا تھا کہ ان کی بیوی ہے وہ ڈرامہ نویس تھی اور آغا حشر کے لکھے ہوئے ڈراموں کو دیکھتی تھی اور اگر آغا صاحب کو ڈرامے میں کوئی رول ادا کرنا ہوتا تھا تو وہ کرتے تھے اور یہ اس کا جائزہ لیتی تھی پھر اگر ضرورت ہوتی طریقہ بتلاتی تھی حاجی صاحب سے ان کی دوستی اتنی بڑھی کہ اپنے کسی کام میں ان کے چھوٹے بھائی آغا محمود کو نصف کا شراکت دار بنالیا۔

حاجی صاحب کا بیان ہے کہ آغا حشر اپنی آخری عمر میں میرے پاس آئے اور کہا سجاد بہت سے سید ملے لیکن تیری بات کچھ اور ہے تیرا ایسا دامن مجھے کسی کا نہیں ملا آپ مجھے کوئی ایک دو نصیحت کریں حاجی صاحب نے کہا آپ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ میرے بزرگ ہیں میں آپ کو نصیحت کیا کروں گا بولے نہیں یہ تو کرنا پڑے گی جب آغا حشر کا اصرار ضد کی حدود میں داخل ہوگیا تو آپ نے فرمایا جب آپ کسی

طرح نہیں مانتے تو شراب چھوڑ دیں آغا حشر نے کہا اے سید تیرے ہاتھوں پر گناہ سے بھی توبہ کرتا ہوں اور شراب اسی وقت سے چھوڑتا ہوں یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گئے، کوئی ایک ہفتہ بعد ان کے چھوٹے بھائی آئے اور اُنہوں نے کہا بڑے بھائی کی حالت بہت خراب ہے آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ بلایا ہے چنانچہ حاجی صاحب اسی دن جا کر آغا حشر سے ملے ڈاکٹر موجود تھا ان کی حالت بہت ابتر تھی شراب کی بوتلیں اور پیمانے قریب میز پر رکھے ہوئے تھے اور غالب کا یہ شعر گویا ایسے ہی موقع کے لئے تھا

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و میناء مرے آگے

لیکن آغا حشر تو توبہ کر چکے تھے ڈاکٹر نے بتلایا اگر نہ پی تو مر جائیں گی حاجی صاحب نے کہا جب ڈاکٹر کہتا ہے تو زندگی بچانے کے لئے دوا سمجھ کر پی لیں بولے آپ سید کے ہاتھ پر توبہ کر چکا ہوں وہ نہ ٹوٹے گی چاہے سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے اور یہی ہوا لیکن آغا حشر اپنی توبہ پر قائم رہے۔

آپ کی انتہائی کشادہ ظرفی

آپ مزاج کے اعتبار سے انتہائی حلیم الطبع تھے درگزر کرنا آپ کی فطرت تھی ان کی اس عادت اور خصائل سے اہل شاہ پور اچھی طرح آگاہ ہیں بدلہ اور انتقام لینے

کی قوت ہوتے ہوئے بھی معاف کر دینے کو زیادہ پسند کرتے تھے آپ اپنے کاروباری سلسلے میں زیادہ تر سفر میں رہے حیدرآباد (دکن) بھی گئے وہاں شاہپور کے بہت سے افراد ملازمت کے لئے گئے تھے جن میں سے تقریباً کم ہی لوگ واپس آئے بقیہ سب نے وہیں سکونت اختیار کر لی سکونت اختیار کرنے والوں میں حاجی سید بشارت حسین صاحب کا پورا خاندان انکے صاحبزادے جناب سید فضل حسین صاحب، حیدرآباد (دکن) کے انتہائی مشہور وکلاء میں شمار ہوتے تھے۔

حاجی سید بشارت حسین صاحب نے حاجی صاحب سے کہا میں اپنی جائیداد شاہپور اور ناتھوپور کو فروخت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے اس جائیداد سے کچھ حاصل نہیں ہوتا میری اولاد بھی سب یہیں ہے اپنے پیروں پر کھڑے ہیں خوشحال ہیں وہاں جن کی سپردگی میں جائیداد ہے وہ اپنے ہی بھائی بند ہیں جن سے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا میں چاہتا ہوں کہ شاہپور کی جائیداد شاہ پور والا ہی لے لے تو اچھا ہے ورنہ بدرجہ مجبوری جو بھی خریدنا چاہے گا میں فروخت کر دوں گا چنانچہ حاجی صاحب نے خریداری پر آمادگی ظاہر کر دی طرفین میں خرید و فروخت کا مرحلہ جب عنقریب تکمیل کو پہنچنے والا تھا کہ ایک دن محترمہ رحیم النساء صاحبہ زوجہ پیشکار صاحب یعنی شاہ عبدالجلیل صاحب کی بیگم اور محترمہ ہاجرہ بی بی یعنی والدہ شمس الحسن صاحب اور سائرہ بی بی صاحبہ یعنی بی بی جان اور دو ایک خواتین اور بھی تھیں شاہ پور کے حاجی صاحب والے پرانے گھر تشریف لائیں حاجی صاحب نماز عصر ادا کرنے مسجد گئے تھے جب واپس گھر آئے تو ان مستورات

نے ان سے گفتگو کا آغاز کیا یہ بزرگ خواتین انتہائی عبادت گزار پردہ نشین پابند شرح اور نرم مزاج سادہ طبیعت کی مالک تھیں لیکن پتہ نہیں اس دن جانے ان لوگوں کو کیا ہو گیا تھا کہ انتہائی سخت لب ولہجہ گفتگو کا رکھا اور کہا ہم نے سنا ہے کہ تم ہمارے بھائی کی جائیداد خرید رہے ہو حاجی صاحب نے جواب دیا آپ نے جو کچھ سنا ہے وہ درست ہے لیکن آپ لوگوں کے اتنی برہمی کی وجہ کیا ہے میں جائیداد نہ تو مفت لے رہا ہوں نہ جبراً چھین رہا ہوں۔

ان لوگوں نے کہا اخاہ تمہارے پاس ۱۴-۱۵ ہزار روپے ہوئے ہیں جو جائیداد خرید رہے ہو ہمارے بھائی کی جائیداد ہے اس کو ہم خود خریدینگے چنانچہ حاجی صاھب نے اسی دن شاہ عبدالجلیل صاحب جن کی حاجی صاحب بہت عزت کرتے تھے ان سے بات کی اور ان عورتوں کی جو گفتگو تھی وہ بھی بتلائی ان لوگوں کی جو مالی حالت اس وقت تھی وہ بھی ظاہر تھی حاجی صاحب نے دوران گفتگو کہا اگر آپ اپنے گھر کی جائیداد گھر ہی مین رکھنا چاہتے ہیں تو میرے لئے یہ خوشی کی بات ہے اگر رقم کا بندوبست نہ ہو تو میں آپ کو یہ رقم آپ چاہیں تو قرض حسنہ دے سکتا ہوں اور اگر آپ یہ جائیداد نہ لیں گے اور کوئی باہر والا خریدے گا تو اس کے مقابلے میں ایک روپیہ کی جگہ ایک ہزار تک دام بڑھا کر خریدلوں گا تو ان لوگوں نے حق شفا کی دھمکی دی حاجی صاحب کی والدہ نے اس جائیداد کو خریدنے سے حاجی صاحب کو منع کردیا وہ اپنی والدہ کا ہر فرمان بلاچون وچرا مانتے تھے اس لئے یہ جائیداد نہیں خریدی اور یہ ان کے عالی

ظرف ہونے کا ثبوت ہے جوان لوگوں سے کبیدہ خاطر نہیں ہوئے۔اس کے بعد ہی ایک بڑی جائیداد کی خریداری عمل میں آئی۔

نئی کراچی میں رہائش کے لئے کوارٹر

1963-1964ء میں نئی کراچی میں رہائش کے لئے 5-ایف بلاک 85 میں کوارٹر الاٹ کرائے ایک اپنی اہلیہ کنیز فاطمہ کے لئے دو کوارٹر اپنی دونوں بہوؤں کے لئے یعنی رضیہ بیگم و میمونہ خاتون کے لئے اور دو کوارٹر اپنی لڑکیوں کے لئے بلقیس فاطمہ اور انیس فاطمہ کے لئے ایک کوارٹر راقم الحروف کے لئے اس وقت یہ بلاک غیر آباد تھا صرف ایک ایک کوارٹر کارنر کے آباد تھے۔

جاڑے کا موسم تھا بعد نماز مغرب سیار بھونکتے تھے لیکن کسی قسم کا ڈر نہیں تھا نہ تعصب نہ گروہ بندی نہ چوری نہ ڈاکہ نہ اغواء عجب پرسکون اور اطمینان بخش ماحول تھا سب ایک دوسرے کے ہمدرد اور رفیق تھے ایک ہفتہ بعد آس پاس کے بلاک بھی آباد ہو گئے صرف پانی کی تکلیف تھی بہر حال بستی تو بستے بستے بستی ہے ادھر میں اور میری اہلیہ نسیم فاطمہ اور بہن رضیہ چھ کوارٹروں کی رکھوالی کرتے تھے اس سلسلہ میں میرے برادر بزرگ سید محمد عثمان صاحب نے بہت بھرپور سہارا دیا اور نور چشم سُلیمان سلمہ نے کوارٹر کے الاٹمنٹ میں بھرپور تعاون کیا لائلپور سے بذریعہ ٹرک حاجی صاحب نے اپنا سامان بھیجا اور کوارٹر الاٹ ہونے کے ایک سال بعد ان کی بیگم اور

بیٹیاں آ گئیں ان لوگوں کی زندگی بھر بہتر سے بہتر مکان میں رہائش رہی ہر طرح کا عیش میسر تھا اچانک یہ ہجرت تبدیلی وطن اور بے سروسامانی کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑا بس پر تو چلنے کا سوال ہی نہیں تھا ٹیکسی میں بھی تکلیف محسوس ہوتی تھی مگر بڑے صبر و شکر سے یہ وقت گزار لیا اور حالات درست ہو گئے حاجی صاحب چونکہ لائیل پور میں ملازمت کے سلسلے سے تھے لیکن مہینہ دو مہینہ میں اپنے بال بچوں کے پاس کراچی ہفتہ بھر کے لئے آجاتے تھے پھر واپس لائیل پور چلے جاتے تھے ضعف بصر میں مبتلا تھے قویٰ جسمانی میں طویل العمری کے سبب اعتدال باقی نہیں تھا اُنہوں نے اسپنسر کمپنی سے ریٹائرمنٹ لیا اور نئی کراچی آ گئے۔ اسپنسر اینڈ کمپنی میں ان کی جگہ ان کے بڑے صاحبزادے حاجی سید عبدالماجد صاحب مینیجر ہو گئے۔

حاجی سید سجاد حسین صاحب نئی کراچی کے دوران قیام بڑے خوش خوش اور مطمئن زندگی بسر کر رہے تھے اس دوران بجائے جمعہ اتوار کو چھٹی ہوتی تھی اتوار کے دن ملنے والوں کا ہجوم ہوتا دن بھر گھر مہمانوں سے بھرا رہتا تھا بچے کھیلتے کودتے اور خوب شور شغب کرتے اور ادھم مچاتے لیکن آپ کبھی بے مزہ نہ ہوتے بچوں سے ہمیشہ محبت اور شفقت سے پیش آتے نئی کراچی ہی کے دوران قیام اپنی پوتیوں طلعت النساء اور فرزانہ خاتون اور اپنی صاحبزادی صغرا بی بی (چاند) کی فرض ادائی سے بہ حسن خوبی سبکدوش ہوئے اور نئی کراچی ہی کے زمانہ رہائش میں ڈاکٹر حاجی سید ساجد حسین، عبدالقدیر اور محمود فاطمہ کی شادی شاندار طریقے پر ہوئی اہل خاندان دوست احباب کو

ملا کر تقریباً ہزار بارہ سو افراد کا اجتماع ہوا تھا یہ ان کی زندگی کی آخری تقریب تھی سید مشرف حسین بخاری، کلثوم بیگم اور چھوٹی بی بی کی شادی ان کے بڑے بھائی حاجی سید عبدالماجد صاحب نے کی اور یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ حاجی سید سجاد حسین صاحب ان لوگوں کے درمیان نہیں ہیں تو کسی چیز کی کمی رہ گئی ہو۔

مولانا افتخار الحق بسمل قمری ہند سے بیعت

یوں تو آپ اوئل عمری سے نماز، روزہ اور دینی ارکان کے پابند تھے لیکن جیسے جیسے عمر میں پختگی آئی یہ ذوق اور شوق عبادت میں خشوع اور خضوع میں اضافہ ہوتا گیا اور عالم جوانی میں یہ جذبہ اپنے انتہا کو پہنچ گیا تھا راقم الحروف کی والدہ جو آپ کی چھوٹی بہن تھیں بتلایا کرتی تھیں کہ عشقِ رسول ﷺ میں ان کی چاہت دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی ہر وقت ایک کیف و بیخودی کا عالم ان پر طاری رہتا تھا ان کا یہ جذبہ ہر جذبے پر حاوی تھا اسی دوران ان کی ملاقات مولانا افتخار الحق بسمل سے ہوئی جو اس وقت ہندوستان بھر میں اپنی بزرگی کے لحاظ سے یکتاء مانے جاتے تھے آپ ان سے بیعت ہوئے اور عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر بہت جلد ان کے سندی خلیفہ ہوئے لیکن آپ نے زندگی بھر کسی کو مرید نہیں کیا۔

خلف اکبر آپ کے نقش قدم پر

ہر اولاد والدین سے محبت رکھتی ہے لیکن حاجی سید عبدالماجد صاحب کی محبت جاںنثاری کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی یہ ابھی دس برس کے تھے کہ ماں اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں لہذا ماں سے محبت کرنے کا حصہ بھی باپ کی جانب منتقل ہوگیا ہر وقت کی قربت نے اپنا اثر دکھلایا تخم تاثیر صحبت کا اثر پورے طور پر نمایاں ہوا رسمی تعلیم کے بجائے علمی استعداد مطالعہ سے حاصل کیا سچ پوچھو تو سب سے بڑا استاد شوق مطالعہ بھی ہے اس ذوق اور شوق نے آپ کے علم میں گراں قدر اضافہ کیا اُردو، انگریزی، فارسی، اور ہندی زبان سے حسبِ ضرورت آگاہ ہوئے۔ عین عالم جوانی میں اپنے والد محترم کی طرح فریضہ حج ادا کیا اس سے پیشتر شاہ جہاں پور میں میران پور کٹرہ کے بزرگ قبلہ سید حامد محمود کلیمی صاحب کے دست مبارک پر بیعت ہوئے ان سے خلافت بھی پائی بحوالہ مجمل حالات پیران عظام خاندان چشت مرتبہ محمد افتخار الدین حیدر آبادی اس کے علاوہ ان کے والد محترم کے سلسلے میں بھی ان کو مقبول حسین، لدی کلان ضلع الہ آباد والے خلیفہ حضرت مولانا افتخار الحق صاحب خلافت دینا چاہتے تھے اس سلسلے میں انکا خط میری نظر سے گزرا اور مولانا افتخار الحق صاحب کے صاحبزادے جناب محمود الحق صاحب نے بھی آپ کو خلافت دی ہے مگر حاجی سید عبدالماجد صاحب کسی کو مرید ہی نہیں کرتے اس باب میں بالکل اپنے والد محترم کا پرتو ہیں اور آج کل تو خوراک و پوشاک، چال ڈھال، اخلاق و عادات، عبادت و ریاضت صورت و سیرت سب ہی

کچھ ان کا اپنے میں حلول کرلیا ہے البتہ گفتگو میں فرق ہے باپ کا اندازِ گفتگو مصلحت آمیز اور لہجہ نرم ہوتا تھا اور آپ قطعی دوٹوک بات کرنے کے عادی ہیں۔ اپنے مسلک پر انتہائی سختی سے عمل پیرا ہیں اپنے والد محترم کی ہر چیز کی حفاظت اس طرح کرتے ہیں جیسے بعض حضرات نوادرات کی ان کی چھڑی، ان کی عینک، قلم، پینسل، کرسی، پلنگ، ٹوپی ان کی تحریریں غرض جو کچھ بھی ہے اس سے عقیدت بھی رکھتے ہیں اور اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں یہی نیک اور سعادت مند اولاد کی نشانی ہے۔

منظوم خطوط اور سپاس نامے

آپ کے نام بہت سے شعراء کے مینے منظوم خطوط دیکھے ہیں اور نثری خطوط جن میں بعض حضرات پورا صفحہ کا صفحہ محض توصیفی القاب وآداب سے بھر دیا کرتے تھے سپاس نامے نثری اور منظوم دونوں طرح کے ہوتے تھے جب وہ پڑھے جاتے تھے تو کبھی کبھی یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ حاجی صاحب پورا سپاس نامہ بغیر سنے ہوئے کھڑے ہو جاتے اور کہتے اس سے زیادہ اپنی تعریف سننے کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔ دراصل تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں بندے کو تو مقام بندگی ہی زیب دیتا ہے پھر سپاس نامے کا وہ حصہ دیکھ کر جس میں حاجت بیان کی جاتی تھی اس کے عطیہ کا اعلان کرتے یا نقد کی صورت میں عطا کرتے۔

راولپنڈی سے ایک مہمان کی آمد

حافظ عبدالکریم عبدالمجید صاحبان گورنمنٹ ٹھیکیداران اور زمینداران کا کاروباری دفتر صدر بازار دھلی میں آپ کے زیر نگرانی کام انجام دیتا تھا حساب کتاب کے لئے کھاتہ نویس بھی تھے جن میں دو جواں سال کھاتہ نویس ایک عبدالحیٔ صاحب تھے ایک بابواحسن، بابو احسن انگریزی زبان سے کما حقہ آگاہ تھے اپنی دیانت داری محنت اور وفاداری کے سبب حاجی صاحب سے عقیدت رکھتے تھے کھاتہ نویسی میں راز داری بڑی اہمیت رکھتی ہے چنانچہ کسی ٹھیکیدار کی مالی حالت خراب ہوگئی تھی اس کو اپنے کاروبار کو سنبھالنے کے لئے ایک لاکھ روپے کی فوری ضرورت تھی چنانچہ حاجی صاحب سے اس نے ایک لاکھ روپیہ بطور قرض لیا منشی عبدالحیٔ کے علم میں یہ بات تھی چنانچہ سال دو سال بعد منشی عبدالحیٔ صاحب نے کہا آپ اب اپنے روپیہ کے لئے تقاضہ کریں حاجی صاحب ہاں ہوں کر کے بات ٹال گئے بہرحال دو چار ماہ کے وقفے کے بعد منشی عبدالحیٔ سے کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس سے رقم کا تقاضہ کروں اور وہ ادائیگی کے قابل نہ ہو تو خجالت اُٹھائے الغرض نہ آپ نے تقاضہ کیا اور نہ اس نے رقم ادا کی۔

عبدالحیٔ نے اپنے ایک عزیز سے اس کا ذکر کیا تو وہ شخص حاجی صاحب کو دیکھنے اور واقعہ کی تصدیق کے لئے آئے چنانچہ اس کی تصدیق کر دی گئی اور یہ بھی بتلایا گیا کہ دہلی کے ایک اور کاروباری صاحب نے ضرورت پڑنے پر ڈیڑھ لاکھ روپیہ لیا تھا جو شہر کراچی میں رہتے ہیں اور اس کی مالی حالت انتہائی مستحکم ہے حاجی صاحب کی

رقم کی واپسی کے لئے کسی نے اس سے کہا تو اس بندہ خدا نے جواب دیا میں تو صرف شیروانی پہن کر پاکستان آیا تھا وہاں کا سب کچھ وہیں رہ گیا ہاں اگر وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہوں یا قرض کی ضرورت ہو تو میں دے سکتا ہوں حاجی صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے کہا، خدا کا شکر ہے قرض کے دھبے سے میرا دامن آج تک پاک ہے اور میری مدد تو میرا خدا کرتا ہے۔

آنکھ میں شدید درد کی تکلیف

جس آنکھ کا گوجرہ میں آپریشن ہوا تھا وہ کامیاب نہیں ہوا روشنی برائے نام تھی پھر اسی آنکھ میں درد کی تکلیف میں اضافہ ہی ہوتا گیا دوسری آنکھ جو غالباً داھنی تھی اس میں بقدر ضرورت روشنی تھی ڈاکٹروں کی رائے یہ ہوئی کہ جس آنکھ میں درد رہتا ہے اس کو نکال دیا جائے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ درد سے نجات مل جائے گی اور دوسرے آنکھ کی روشنی بحال رہے گی چنانچہ حاجی سید عبدالماجد صاحب کے دوران قیام لائل پور جب کے وہ اسپنسرس کمپنی میں مینیجر تھے آپ کو بغرض علاجِ چشم بلایا اور عمل جراحی کے ذریعہ جس آنکھ میں درد ہوتا تھا نکال دی گئی اور درد سے نجات مل گئی لیکن ڈاکٹروں کی تجویز اور خیال کے مطابق دوسری آنکھ کی روشنی قائم نہ رہ سکی بلکہ کم ہونا شروع ہوگئی اور تھوڑے عرصہ کے بعد بصارت معدوم ہوگئی اس کا حاجی صاحب کے دل ودماغ پر بے حد اثر پڑا۔

عاشقِ صلوۃ

عمر کے ہر حصے میں اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے رہے تعجب ہے کہ جب ظاہراً آنکھیں بے نور ہوگئیں وقت نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن اذان سے چند منٹ قبل وضو کا پانی طلب کرتے اور بالکل ٹھیک وقت پر نماز ادا کرتے جمعہ کی نماز کے لئے جمعرات کے دن سے اہتمام کرتے تھے اور یہ سعادت خوش قسمتی سے میرے نصیب میں تھی کہ ان کو مسجد لے جاتا، شوگر کے مریض تھے تشنگی جلد جلد محسوس ہوتی تھی اس لئے میں ایک ہاتھ میں پانی کی بوتل اور اسی ہاتھ میں کرسی سنبھالتا دوسرے ہاتھ سے آپ کو سہارا دیتا جہاں تھک جاتے کرسی پر بٹھلا دیتا تھوڑے وقفہ کے بعد پھر مسجد کی راہ لیتا الغرض نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد گھر واپس ہوتے اور میرے حق میں دُعاؤں کا مینہ برسا دیتے جب بہت کمزور ہوگئے تو میں نے عرض کیا آپ بجائے جمعہ ادا کرنے کے گھر پر ظہر پڑھ لیا کریں جواب دیا جب تک اللہ کا رزق کھاتا ہوں اس کی فرماں برداری اور بندگی میرا فرض عین ہے۔

اُن کا حسن سلوک

اپنی بساط بھر ہر ایک مستحق کے ساتھ ان کا حسن سلوک ان کی عادت ثانیہ بھی تھی اور تسکین دل کا سبب وطمانیت بھی اور یہ صفت مومنین تادم مرگ باقی رہی اہل وطن اور افراد خاندان نے تو ان کو گھر کی مرغی دال برابر سمجھا لیکن ان لوگوں نے جن

سے نہ خونی رشتہ تھا نہ، وطن کے تھے، نہ پاس پڑوس کے اُنہوں نے آپ کی قدر منزلت کی اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھلایا اور دل و جان سے عزت کی۔

راقم الحروف کے کوارٹر کے روبرو ایک صاحب استاد یامین سکونت پذیر تھے ان کی زیورات کی دو کانیں تھیں سندھ میں جائیداد تھی اور ہے۔ شہر میں مکانات ہیں میں جب ڈیوٹی سے گھر واپس آیا تو یامین صاحب مجھے باہر ہی مل گئے ان کے چہرے سے خوشی کے آثار نمودار تھے اُنہوں نے مجھ سے کہا آپ کے لئے ایک بڑی خوشی کی خبر ہے آپ اپنی بیوی نسیم فاطمہ کی چوڑیوں کے ناپ مجھے دیں آپ کے ماموں نے ۱۲ تولہ سونے کی چوڑیوں کا بیعانہ دیا ہے تاکہ میں بنا دوں۔

میں نے جب حاجی صاحب کو بتلایا تو اُنہوں نے کہا ہاں یامین صاحب کو میں نے بیعانہ دیدیا ہے سچ بات یہ ہے کہ تم نے میری دل و جان سے خدمت کی ہے میری دل و جان سے عزت کرتے ہو میرا کاروباری زمانہ نہیں ہے کہ میں کوئی بڑی چیز تم کو پیش کرتا لہٰذا یہی سہی، میں نے ان سے کہا میں آپ کی جو خدمت اور عزت کرتا ہوں وہ میں محض اس لئے نہیں کرتا کہا آپ میرے ماموں ہیں بلکہ اس لئے کرتا ہوں کہ آپ کی ذات اس کی مستحق ہے اور آپ اس قابل ہیں کہ آپ کی جتنی بھی قدر منزلت کی جائے وہ کم ہے میری سب سے بڑی قدر دانی یہی ہوگی کہ آپ اس حسن سلوک کو درمیان میں نہ لائیں میری فرمانبرداری اور سچی محنت کا تقاضہ ہے کہ آپ اس کو بے لوث رہنے دیں بہر حال کئی روز کے بعد ان کو بیعانہ واپس کر دیا یامین صاحب

اور میرے ماموں حاجی سید سجاد حسین صاحب کو میرے اس فعل پر تعجب تھا پھر ماموں اور بھانجے کی محبت میں ایسا اضافہ ہوا جس کی کوئی حد نہ تھی۔

اُن کی روشن ضمیری یا کرامات

یہ تذکرہ ان کے بالکل آخری زمانے کے ہیں پاخانہ یا پیشاب تادم مرگ بستر پر نہیں کیا بلکہ رفع حاجت کے لئے بیت الخلاء ہی جاتے تھے ایک روز میں اور میری ممانی یعنی حاجی صاحب کی اہلیہ کنیز فاطمہ ان کو سہارا دے کر بیت الخلاء لے گئے جب فارغ ہوئے تو باہر نکلنے کیلئے قدم بڑھا کر رکھنا چاہتے تھے لیکن پھر پیر کو اتنی سرعت سے واپس کھینچ لیا گویا بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو اور مجھ سے کہا اشرف یہ جو کاغذ کا ٹکڑا پڑا ہے اس کو اُٹھا کر پانی سے دھو کر پاک کر کے خوشبو لگا کر احتیاط اور احترام سے محفوظ کر دو چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اس کاغذ کے ٹکڑے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی درج تھا۔ ممانی نے مجھ سے دریافت کیا، کیا لکھا تھا چنانچہ میں نے اُن کو بتلایا شریک حیات تھیں شکوہ کرنے لگیں آنکھوں سے نظر آتا ہے مفت میں پریشان کرتے ہیں آپ بہت غمگین ہوئے بولے مجھے ان آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آتا۔

ایک دن میں نے محسوس کیا کہ آپ کے غیر ضروری بالوں کی صفائی ہونا چاہیے ان کے ایک ہاتھ میں شدید درد ہوتا تھا کوئی چھولے تو تکلیف ہوتی تھی اُنہوں

نے نیند کی دوالی تھی اور بالکل غافل تھے میں نے جرأت کر کے بالوں کی صفائی کر دی اوران کے پاس سے جانے لگا تو آواز دی اشرف اب میں سناٹے میں آ گیا اوپر کا دم اوپر نیچے کا دم نیچے درمیانی لہجے میں بولے اگر چہ تمہارا یہ فعل انتہائی معیوب اور قابلِ اعتراض تھا لیکن میری موجودہ جسمانی معذوریوں کے باعث نہ صرف میں خوش ہوا ہوں بلکہ میرا خدا بھی خوش ہوا ہمیشہ صاف ستھرا پاک صاف رہا لیکن اب میں مجبور ہوں۔

دو بزرگوں کے رازدارانہ سوال وجواب

مولانا حافظ عبدالقادر صاحب نیازی ہسوی کی بزرگی میں کلام نہیں وہ حاجی سید سجاد حسین صاحب کے سمدھی تھے ہندوستان اور پاکستان کی دوسری جنگ تھی اور محاذ مشرقی پاکستان بنا ہوا تھا مجھ سے مولانا حافظ عبدالقادر صاحب نے کہا اشرف تمہارے ماموں بھی بہت بڑے بزرگ اور اللہ والے ہیں جب گھر جانا تو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں میں نے پوچھا اور کچھ بولے نہیں بس اتنا ہی کافی ہے اس کا جواب دے جانا۔

خیر میں نے اپنے ماموں سے ان کا پیغام کہد یا اُنہوں نے کہا مولانا سے سلام کے بعد کہد ینا کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اب کی مرتبہ ہم پٹ رہے ہیں چنانچہ میں نے اُن کو یہ پیغام پہنچا دیا مولانا نے کہا بعد سلام کے اپنے ماموں سے کہد ینا کہ

مولانا نے کہا ہے کہ اس وقت ہم نہ ہوں گے چنانچہ جس شام سقوط ڈھاکہ کی خبر آئی مولانا حافظ سید عبدالقادر کا وصال ہو چکا تھا اور قبل مغرب وہ آسودہ خاک ہو چکے تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اچھا فرید میاں خدا حافظ

آپ کی علالت نے طول کھینچا تھا حالت قابلِ تشویش تھی لائیل پور سے آپ کے بڑے صاحبزادے حاجی سید عبدالماجد صاحب آئے ہوئے تھے عشاء کے قریب حاجی سید فرید احمد قاسمی صاحب عیادت کے لئے آئے تھے آپ اپنے خالو جان حاجی سید سجاد حسین صاحب کی بے حد قدر و منزلت کرتے تھے ان سے عقیدت رکھنے کے سبب خدمت کرنے میں دل و جان سے کوشاں رہتے تھے اس دن بھی انہیں کی چار پائی کے پاس کرسی پر بیٹھے تھے کچھ دُعائیں پڑھیں اور ''فاللہ خیر حافظا'' کہہ کر پھونکا سردی کے سبب ایک لحاف اور کمبل پڑا تھا منہ ڈھانپ کر سونے کی عادت نہیں تھی لیکن اس روز منہ اوڑھے ہوئے تھے لگتا تھا سو گئے ہیں فرید بھائی کی ہمیشہ عادت میں داخل تھا کہ رخصت ہوتے ہوئے اجازت طلب کر کے جاتے تھے اس دن ہم لوگوں سے اشارہ کیا کہ جا رہے ہیں جیسے ہی دروازے سے نکلے آپ نے آواز دی اچھا فرید میاں خدا حافظ جا رہے ہو ہم لوگوں کو تعجب ہوا آنکھوں میں بینائی نہیں ہے لحاف کمبل پڑا ہوا ہے خاموشی سے فرید میاں جا رہے ہیں ان کو کیسے خبر ہو گئی۔

وہ کون بزرگ تھے

گاؤتکیہ پر سر ٹکائے لیٹے تھے میں پیر دبا رہا تھا کہ اچانک اُٹھ کر بیٹھ گئے اور بلند آواز سے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بولے ابھی نہیں چلوں گا پھر بولے بس کسی جمعہ کو چلوں گا اچھا خدا حافظ مجھ سے فرمایا جانتے ہوں کون تھے میں نے کہا میں نے تو شکل بھی نہیں دیکھی اور نہ یہاں کوئی تھا جو بتلاؤں کسی کا نام لیا اور بتلایا مجھے لینے آئے تھے۔

ایک ہفتہ بعد مجھ سے کہا میاں (اپنے بڑے صاحبزادے حاجی سید عبدالماجد صاحب کو ہمیشہ میاں کہتے تھے) کا انتظار تھا لیکن وہ نہیں آسکے جب آئیں تو بتلا دینا تمہارا بہت انتظار کیا لیکن ملاقات نہیں ہوسکی ایک ہفتہ ہوا انتقال کر گئے یہ کہہ کر پھوٹ کر رونے لگے۔

نعتیہ کلام

حضور اکرم کی ذات سے حد درجہ محبت تھی۔ فنافی الرسول تھے۔ چونکہ اس وقت انکا دیوان دستیاب نہیں ہے اس لیے قطعی طور پر کوئی رائے آپ کے کلام کے بارے میں نہیں دی جاسکتی البتہ یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا شمار نعت گوشعرا میں قطعی ممکن ہے۔

نمونہ کلام

سر عرش جلوہ نماں ہو وہ تم ہو
مکین ہوتو تم ہو مکاں ہوتو تم ہو

غرض ہر طرف ہیں تمہارے ہی جلوے
یہاں ہو تو تم ہو وہاں ہوتو تم ہو

کلام الٰہی ہوا تم پہ نازل
مجسم بمعنی قرآن ہو تو تم ہو

یا محمد تمہیں سب نور خدا کہتے ہیں
پر جو عاشق ہیں وہ کچھ اس سے سوا کہتے ہیں

نہ جنت کے پھولوں نہ کلیوں میں پایا
مزہ جو نکہت مدینے کی گلیوں میں پایا

حلاوت عجیب پائی نام نبی میں
مزہ یہ نہ مصری کی ڈلیو میں پایا

تربت شیث پہ کیا چیز چڑھاؤں سجاد
ہائے دو ایک بھی کلیاں میرے دامن میں نہیں

ادھر غش میں موسیٰ زمین پر پڑے ہیں
ادھر عرش پر جلوہ گر ہیں محمد

ثمر ہیں حسن اور حسین اس کے دونوں

علی شاخ ہیں اور شجر ہیں محمد

ہیں محشر میں سجاد سب سے اُولجھتے

کدھر ہیں کدھر ہیں کدھر ہیں ہمارے محمد

اے صلی اعلیٰ نور خدا شانِ محمد

آگے ہے بہت عرش سے ایوانِ محمد

نہیں دیکھا ہو جس نے گھر خدا کا

مدینہ دیکھ آئے مصطفیٰ کا

شکوہِ محبت

کیوں رے او ظالم ستمگر بیوفا بیداد گر　　کیا یہی ملتا ہے دنیا میں محبت کا ثمر
چار ہی دن میں مجھے ایسا بھلایا واہ واہ　　اتنی جلدی ہو گیا غیروں کی الفت کا اثر
یا وہی تو تھا کہ دم بھرتا تھا میرا رات دن　　یا وہی تو ہے کہ تجھ کو کچھ نہیں میری خبر
یا وہی تو تھا کہ چین آتا نہ تھا میرے بغیر　　یا وہی تو ہے کہ تجھکو مجھ سے نفرت اس قدر
اب وہی تو ہے کہ دل غیروں سے تیرا مل گیا　　یا وہی تو تھا کبھی ملتی نہ تھی تیری نظر
یا وہی تھے غیر جن سے ملنا تجھ کو عار تھا　　یا وہی اب غیر ہیں دل جن پر آیا ٹوٹ کر
اب وہی اغیار ہیں دم بھر نہیں ہوتے جدا　　یا وہی اغیار تھے ہوتا نہ تھا جن کا گزر
دوست دشمن ہو گئے جاتا رہا میرا خیال　　ٹھیکری رکھ لی ستمگر تو نے ایسی آنکھ پر
سجاد سے وعدے تھے کیا کیا کافر پیمان شکن　　کچھ تو شرما بیوفا دل میں ذرا تو غور کر
مژدہ اے قوم کہ پھر بدلی زمانے کی ہوا　　ہو گئے قید سے آزاد اسیرانِ بلا
شاد سب فرط مسرت سے ہوئے پیرو جوان　　کہ سکون غم خاطر ہی تھا عالم پہ گراں
جوش اشک مسرت سے ہے جل تھل دنیا　　دل کے صحرا پہ بھی ہوتا ہے گمانِ دریا
دیدہ نم کی نظر اُٹھ کے جدھر جاتی ہے　　اپنے دامن کو گل عیش سے بھر لاتی ہے
جس طرف کان لگاؤ یہی آتی ہے صدا　　شوکت و دین محمد کا نگہبان خدا
ملک بھر میں اسی مژدہ نے ہوا ہے باندھی　　جس سے سنیئے یہی کہتا ہے پھر آئے آندھی
شان ہے جوشِ کرم کی یہ تیرے ابر کریم　　بیگناہی سی برتی ہے گنہگاروں پر
چاہیئے کچھ تو کیئے کی بھی معافی سجاد　　فرض ہے عذر خطا بھی تو خطا واروں پر
کون ہوتا ہے برے وقت کا ساتھی سجاد　　طور جل جل پھُنکا داد نہ دی موسیٰ نے
امکاں میں ہو تو قوت احساس چھین لو　　تاروں سے نور پھولوں سے بُو باس چھین لو
مجھ کو تقدیر جو چاہے وہ دکھائے سجاد　　لیکن اترا ہوا چہرہ نہ کسی کا دیکھوں

وفات حسرت آیات اہلخانہ
حاجی سید سجاد حسین شاہ پوری

مضمحل کیوں ہے طبیعت میری اور ہے پُر غم
کہیں تازہ نمایاں نہ ہوں آثار الم

چھا رہا ہے درو دیوار پہ کیا سناٹا
نظر آتا ہے جدھر دیکھئے ہو کا عالم

اب نہ وہ گھر ہے نہ وہ اگلی سی گھر کی رونق
شمع محفل کی بھی ہے روشنی اب کچھ مدھم

انجمن ہی میں بہلتا ہے نہ جی خلوت میں
طپشدل بھی نہیں ہے مری وحشت سے کم

گوشہ قبر ہے کونا میرے ویرانے کا
کہ میرے گھر کی بھی انگنائی ہے صحرائے عدم

ایک میں کیا کہ زمانے کی یہی حالت ہے
کوئی ہے محو فناں کوئی ہے صرف ماتم

کچھ تقابل ہے فنا اور بقا کا ایسا
ایک میزان کے دو پلے ہیں ہستی وعدم

ابھی سب کچھ تھے ہمیں اور ابھی کچھ بھی نہیں
اتنے ہی ہلکے ہوئے جتنے تھے بھاری بھرکم

نقشِ بر آب ہیں اسباب جہاںِ فانی
باد صرصر کی ہے اک موج بہار عالم

باغ سا باغ بھی تاراج خزاں ہوتا ہے
دشت سا دشت ہے دامن میں لئے خار الم

ایک دن ذائقہ موت تو ہے سب کے لئے
کہیں ٹل سکتی ہے انسان کی قضائے مُبرم

زندگی سے کسے اُمید وفا ہوتی ہے
رات بھر کی ہے فقط باغ میں مہماں شبنم

یک بیک پھر یہ صدا رونے کی کیسی آئی
چھا گیا سارا زمانے پہ یہ پھر کس کا غم

جمادی الثانی کی چوبیں کو اتوار کے دن
چل بسی خلد کو وہ مایہ صد نازو نعم

ہائے خاتون بھی وہ فخر خواتین جہاں
مخزن فہم و ذکا شجر سخا ابر کرم

زوجہ نیک، رفیق غم و تنہائی کی
کیا قیامت یہ ہوئی ہائے غضب وائے ستم

تلاش مرحومہ و مخدومہ سجاد ہے یہ
حسرتیں کرتی ہیں اب خانہ دل میں ماتم

کل یہ تھیں اپنے پرائے کی مصیبت میں شریک
آج ہے طاقت گویائی بھی دشوار و اہم

عبرت اے اہل جہاں غیب سے آتی ہے صدا
فاتحہ پڑھ لو سرِ گور غریباں عدم

آپ ہی آپ ہیں تنہائی یا غار عمیق
نہ کوئی یار ہے مونس نہ رفیق و ہمدم

خاک کہتی ہے بہت خاک اڑا کر آیا
کچھ ٹھہر دیکھ یہاں بھی ہیں ہزاروں عالم

شمع تربت سے نہ کچھ سنگ لحد سے حاصل
کہ یہاں سب کا برابر ہے وجود اور عدم

چادر قبر ہے مرجھائے ہوئے پھولوں کی
پڑگئی اشک ندامت سے گلوں پر شبنم

کچھ مٹا سا ہے نشاں بھی جو ذرا سا ہے کہیں
کہ ابھرنے کی تو مٹی نے بھی کھائی ہے قسم

بیکسی میں کوئی مایوس جو ہوتا ہے
دوڑ کر کہتی ہے رحمت کہ تیرے ساتھ ہیں ہم

ماجرا کیا ہے یہ ملھم سے جو میں نے پوچھا
آئی آواز کہ یہ اور ہی کچھ ہے عالم

اس میں بھی راز ہے سجاد زبان بند کرو
اب اسی چپ میں ہیں خوشحال تمہاری بیگم

سجاد حسین شاہ پوری

تنہائی کی مونس تنہائی

کل طبیعت جو میری گھبرائی
ہو گئی تنگ گھر کی انگنائی

جی میں آیا نکل کر جنگل کو
کیجئے چل کہ دشت پیمائی

پھر یہ سوچا کہ وقت آخر ہے
دن ڈھلا شام ہونے کو آئی

ظلمت شب میں خاک سیر کا لطف
سب سے بہتر ہے گھر کی تنہائی

یہیں بیٹھ اُٹھ کے وقت ختم کرو
خود بہل جائے گا یہ سودائی

گھڑی ساعت میں رات آئے گی
سو کے ٹل جائے گی بلا آئی

تھا اسی فکر میں کہ آخر کار
منہ کی مانگی مراد بر آئی

ہوگئی رات دن تمام ہوا
ایک اندھیری سی ہر طرف چھائی

لیٹے بیٹھے جو دم سا اکتایا
اٹھا لیتا ہوا میں انگڑائی

جی پھر چاہا کہ چلیے بستر پر
کیجئے پڑ کے مرگ آرائی

رکھ کے تکیہ پہ سر کو لیٹ گیا　　آنکھ جھپکی ہی تھی کہ نیند آئی
بند ہوتے ہی دیدہ در کے　　کھل گئی پٹ سے چشم بینائی
بخت خوابیدہ مرگ جاگ اُٹھا　　اک عجب شان سی نظر آئی
صبح کا ساسماں ہے پیش نظر　　روشنی سی افق پہ ہے چھائی
مستیوں پر ہے نالہ بلبل　　دل کی کلیاں کھلی ہیں مرجھائی
اک چمن ہے ہرا بھرا شاداب　　دل میں کھبتی ہے جس کی رعنائی
پھول وپھل سے لدی ہوئی شاخیں　　باغ پر ہے شگفتگی چھائی
بھینی بھینی لپٹ سے پھولوں کی　　موج نکہت ہے مست اترائی
چپہ چپہ پہ بلبلوں کا ہجوم　　پتے پتے پہ گل کی زیبائی
گل و بلبل پہ حسن عشق عیاں　　ہوئے محبوب جیسے شیدائی
دیکھ کر روئے گل پہ رنگ بہار　　چشم نرگس بھی ہے تماشائی
ختم ہر اک نہال گلشن پر　　دلبری دلکشی دل آرائی
صاف شفاف ہے رواں چشمہ　　موجیں پھرتی ہیں جس میں اترائی
باغ میں حوض حوض میں پانی　　اور پانی کا رنگ مینائی
مچھلیاں شوخیوں سے محو خرام　　بہہ گئی وہ پلٹ کہ لوٹ آئی
لب جو اک حسن پری تمثال　　جلوہ گر ہے بصد خود آرائی
حسن میں بے مثال و خود خصال　　انجم آسمان زیبائی
پھول سے ہونٹ لعل رخسارے　　روکش ماہ چرخ مینائی
نگہ ناز جنبش ابرو　　تیر و خنجر برائے شیدائی
سرگیں شرگیں وہ چشم و شبیہ　　دیکھ کر ہو زمانہ شیدائی
ہر ادا پر نثار دل لاکھوں　　ختم ہر ناز پر دل آرائی

بجلیاں گر گئیں جبینوں پر — لب نازک پر گر ہنسی آئی
پاؤں ڈالے کھڑی ہے پانی میں — شوخیاں کہتی ہیں پھر مچلائی
لہر میں اتر کے پائے رنگین پر — کرتی جھک جھک کے ہیں جبیں سائی
بلبل شوق دید عارض میں — بن کے دیدہ تمنائی
دیکھ کر چاند سی شکل آنکھیں — ہوگئیں جان و دل سے شیدائی
سر پہ جوش جنون سوار ہوا — دل کے سودا میں لہر لہر آئی
ساتھ عقل وخرد نے چھوڑ دیا — مشکل عنقا ہوئی شکیبائی
شوق نے دل کے دستگیری کی — منہ کی مانگی مراد بھر پائی
اس سے پوچھا کہ اے مراد جہاں — کون ہے تو کہاں سے ہے آئی
کسکے دل کی ہے راحت و آرام — کسکے دکھ درد کی دوا لائی
کس زمین کی ہے آبروئے جمال — کس فلک کی ہے عزت افزائی
زندگی کس کی ہے اجل کس کی — کس کو دینے پیام مرگ آئی
کچھ تو نام و نشاں سے کر آگاہ — کس کا لے کر کے وقت بد آئی
للہ الحمد اتنا کہنا تھا — بت کو دے دی خدا نے گویائی
سن کے میرا کلام طرز سخن — آپ ہی آپ بھلے شرمائیں
پھر مجھے دیکھ کر وہ غنچہ دہن — مسکراتے ہی گل سی مرجھائی
بھر کہ اک آہ سردیوں بولی — وائے تذلیل و ولے رسوائی
آہ تم بھی نہ مجھ کو پہچانو — واہ رے میری بے سرو پائی
کل تلک دل سے پیار کرتے تھے — مجھ پہ سو جان سے تھے شیدائی
آج اس درجہ ہو گئے انجان — جیسے ہے ہی نہیں شناسائی
شکل بدلی مری کہ رنگ مرا — دلبری کھو گئی کہ رعنائی

تھی جو پچھلے وہی تو اب بھی ہوں — کیوں میرے اب نہیں ہو سودائی
وہ وفا ہے نہ عہد الفت ہے — جرم الفت ہے وعدہ ایفائی
تم نے سارے بھلا دیئے احساں — جن کی دولت ہے آبروپائی
عشق و الفت میں جس نے ساتھ دیا — جسم مردہ میں روح پھونک آئی
اپنی آنکھیں بچھائیں فرش کی جا — کی جدھر تم نے کام فرسائی
رنج و راحت میں ساتھ دم آئی — نیک و بد میں تمہارے کام آئی
جوش غم میں ہو کہ گریہ شریک — آنسوؤں کی جھڑی بھی برسائی
سن لیا گر کبھی ملو تمہیں — گھٹنوں کی آکے بزم آرائی
جب مریض الم اجل دیکھا — جا کے لقمان سے دوا لائی
بستر مرگ پہ بھی کی آکر — لب جاں بخش سے مسیحائی
داغ ہائے جگر کا گلشن میں — میرے کانٹوں سے تب ہی بہار آئی
میرے پاس تھی قوت تخیل — ناز کی دلکشی و رعنائی
ساتھ چھوڑا کسی نہ حال غرض — جو گھڑی بھی بری بھلی آئی
مونس زندگی رہی تا عمر — جیسے کوئی غلام کی جائی
بندہ بیدرم کی صورت ہے — جو کیا حکم وہ بجا لائی
شرم اور بیوفائی ننگ جہاں — زندگی کو تری نہ موت آئی
شکل کیا نام تک ہی یاد نہیں — خوب کی میری قدر افزائی
مجھ نصیبوں جلی کی قسمت میں — تھی یہی بے کسی جو پیش آئی
خیر جاتی ہوں اب تو بتلادوں — تجھ کو کہتے ہیں لوگ ''تنہائی''
اتنا سنتے ہی نیند آنکھوں سے — چلتی پھرتی ہوئی نظر آئی

سجاد مطبوعہ دلچسپ یکم دسمبر ۱۹۲۷ء

وطن اور اہلِ وطن سے محبت

ہندوستان سے ہجرت کرنے کے بعد اُنہوں نے نہ تو شاہپور کا ذکر کیا اور نہ کسی اہلِ خاندان کا ذکر کیا خط کتابت بیشک رہی ہے دراصل ان کی یہ دونوں باتیں ان کے صبر تحمل کی نشانی تھی۔

انتقال سے چند روز پیشتر اُنہوں نے وطن کو بھی یاد کیا اور اہل وطن کو نام بنام یاد کیا آپ میں اچھائیاں زیادہ تھیں برائیوں بہ تقاضہ بشریت برائے نام تھیں جس سے بھی ان کی اندرونی چشمک یا اعلانیہ مخالفت تھی وہ کسی نہ کسی مظلوم کی حمایت میں تھی۔

پیش گوئی

راقم الحروف اور اس کے بڑے بھائی سید محمد عثمان صاحب اسلام الحق صاحب ان کے پاس رہتے تھے میں ڈیوٹی سے جو وقت ملتا ان کے پاس صرف کرتا تاکہ تنہائی نہ محسوس کریں انتقال سے چند روز قبل مجھے فرمایا اشرف میرا سفر آخرت عنقریب ہے لیکن تم اس وقت میرے پاس نہ ہوگے بلکہ مردوں میں کوئی بھی نہ ہوگا اور درحقیقت یہی ہوا۔

کل نفس ذائقۃ الموت

آخر وہ وقت آ ہی گیا جو زندگی کو موت میں بدل دیتا ہے ۵ جنوری ۱۹۷۳ء بروز جمعہ کو حالت دگرگوں ہوگئی منہ سے کتھی رنگ کی رطوبت قے کی طرح باہر نکلی گویا ظاہری صفائی ہوگئی شہر سے ڈاکٹر کو بلا کر معائنہ کرایا گیا اس نے کہا معدہ برسٹ ہو چکا زندگی کے آثار منقطع ہو رہے ہیں چنانچہ عصر مغرب کے مابین اپنے معبود حقیقی سے جا ملے انتقال کے بعد ان کی ہدایت کے مطابق میں نے کوشش کی کہ تجہیز و تکفین رات ہی میں ہو جائے لیکن خاندان والوں نے رائے دی کہ میاں کا انتظار کیا جائے چنانچہ اُنہیں فون پر اطلاع دی گئی اُنہوں نے کہا میں کل معہ سب لوگوں کے پہنچ رہا ہوں چنانچہ ہم لوگ ان کے منتظر رہے بھائی رشید اللہ کاظمی ڈاکٹر دلاور عباس کو لائے تاکہ وہ یہ بتلا سکیں آیا جسدِ خاکی اگلے روز مغرب تک خراب تو نہ ہوگی۔ اُنہوں نے معائنہ کے بعد بتلایا نیچے برف رکھدیا جائے پلنگ صحن میں ورنہ اندیشہ ہے کہ پیٹ سالم نہ رہے جب ایسا کرنا چاہا تو ممانی صاحب نے گلوگیر آواز میں منع کیا کہا میں جانتی ہوں نہ برف کی ضرورت ہے نہ صحن میں جسدِ خاکی رکھنے کی نعش کسی صورت نہ خراب ہوگی۔ چنانچہ جسدِ خاکی میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہیں ہوئی بلکہ دوسرے دن بھی ان کے اعضاء جسمانی میں لوچ قائم رہا سنیچر کو میاں معہ اہل و عیال کے آگئے جنازہ تیار تھا فوراً پاپوش نگر روانگی عمل میں آئی ہمارے خاندان کے درخشندہ آفتاب نے ہم لوگوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پردہ کر لیا ان کے انتقال کی خبر اخبار ڈان، جنگ اور انجام میں شائع ہوئی

ان کو مولانا محمد علی جوہر کے رفیق کار کی حیثیت سے شناخت کرایا گیا تھا اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکنوں میں شمار کیا گیا تھا۔

ماہر القادری

عنبر بخاری

راغب مراد آباد

رئیس امرہوی

حسن عسکری نادم ایرایانی

اور اشرف فتح پوری (راقم الحروف) نے کتبہ مزار کے لئے قطعات کہے تھے

بخاری اور حسن عسکری نادم ایرایانی نے منقوم خراجِ عقیدت بھی پیش کیا۔

تاثرات جناب صوفی محمود الحق صاحب

خلیفہ و فرزند

حضرت مولانا افتخار الحق صاحب قمری ہند

جناب حاجی سید سجاد حسین سجاد افتخاری صاحب صحیح النسب اور نجیب الطرفین سادات خاندان سے تھے اور مزید خصوصیت ان کی یہ بھی تھی کہ وہ حضرت سید شاہ جلال الدین بخاری اوچ شریف بہاولپور کی نسل سے پیرزادوں میں تھے مندرجہ بالا

وجوہات کی بناء پر سجاد بھائی کے پیرومرشد سراج السالکین حضرت مولانا صوفی حکیم محمد افتخار الحق صدیقی چشتی قادری، نقشبندی، سہروردی، مجتبیٰ بسمل المعروف قمری ہند جن کا مزار مبارک درگاہ افتخاریہ کے نام سے شہر کلکتہ تمپہ(Tumpah) روڈ پر ہندوستان میں واقع ہے حضرت قبلہ موصوف میرے والد ماجد اور میرے پیرومرشد بھی تھے اور میں ناچیز محمد محمود الحق صدیقی افتخاری ہیچ در ہیچ بلکہ بے ہیچ حضرت قبلہ صوفی حکیم محمد افتخار الحق صدیقی چشتی کا سجادہ وجانشین بھی ہوں اس لئے میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ ہمارے پیرومرشد کے لاکھوں مرید اور سینکڑوں خلفائے طریقت تھے لیکن ان سب خلفاؤں میں صرف سجاد بھائی ہی ایک ایسے خلیفہ تھے کہ جن کی تعظیم اور تکریم خود ان کے پیرومرشد یعنی ہمارے والد وپیرومرشد بھی کیا کرتے تھے ایک پیر کامل اور شیخ طریقت اگر کسی اپنے مرید اور خلیفہ کی تعظیم وتکریم اور احترام کرے تو اس کا مطلب یقیناً یہ ہوا کہ وہ خلیفہ بذات خود ایک بزرگ ہستی ہے لیکن، سجاد بھائی کا ان کے پیر مرشد کی طرف سے احترام کا مطلب یقیناً یہ ہوا کہ وہ خلیفہ بذات خود ایک بزرگ ہستی ہے لیکن سجاد بھائی ان کے پیرومرشد کی طرف سے احترام اور تعظیم کرنے کے باوجود اپنے پیرومرشد کا ادب اور احترام کرتے تھے کہ میں نے اپنے سلسلے میں کسی شخص کو بھی اپنے پیرومرشد کا اس درجہ احترام اور ادب کرتے نہیں دیکھا۔

جانثاری اور خدمت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے پیرومرشد کے پاس جب تشریف لائے تو خادموں اور ملازموں سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ پیرومرشد کو کسی

چیز کی کمی اور ضرورت ہے اس کو وہ خاموشی سے مہیا کر دیتے تھے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے اپنے پیرومرشد کے بارے میں کہ وہ کبھی کسی مرید یا خلیفہ سے کوئی فرمائش نہیں کرتے اور نہ ہی وندرانہ وغیرہ لینے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں جب کہ ان کے پیرو مرشد کا مطب لکھنؤ امین آباد جھاؤلال کے پل کے ساتھ تھا تو اسی دوران ان کے پیرو مرشد یعنی ہمارے والد بزرگوار پر بائیں طرف مرض فالج کا حملہ ہوا اور ساتھ ہی ساتھ داہنے کولہے پر ایک بہت بڑا پھوڑا بھی ہوا تقریباً وہ اسی عالم میں ۲۰ یا ۲۲ دن تک بے ہوش رہے اور اس مرض فالج کے دوران تک ہم لوگوں کا قیام لکھنؤ میں رہا یعنی ۱۹۳۷ء سے لے کر تقریباً ۱۹۴۰ء تک میں نے سجاد بھائی کو جس قدر مادی وجسمانی خدمت کرتے ہوئے دیکھا کسی اور خلیفہ یا مرید کو نہیں دیکھا البتہ ان کے ساتھ دو شخصیات کو یعنی مقبول حسین الہ آبادی اور وزیر علی بھائی لکھنوی کو بھی دیکھا مگر ان دونوں حضرات کو صرف جسمانی خدمت کرتے ہوئے دیکھا مگر سجاد بھائی کو دونوں خدمات انجام دیتے ہوئے دیکھا یعنی جسمانی اور مادی علاج معالجے میں، میرا خیال ہے کہ سجاد بھائی نے اس دور میں ہزاروں روپے خرچ کئے جو کہ ان کا یہ عمل اپنے پیرومرشد پر جانثاری کا منہ بولتا ثبوت ہے مجھ کو سجاد بھائی کے بارے میں اور بھی بہت سے دوسرے لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اگر کسی کو قرض دیتے تو پھر وہ قرض کی رقم کبھی واپس نہیں لیتے تھے اگر کوئی ضرورت مند ان کے پاس آتا تو کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔

سجاد بھائی کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ وہ بہت زیادہ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور

منکسر المزاج تھے وہ لوگوں سے بہت زیادہ خاکساری وانکساری و عاجزی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے بہت بڑے گورنمنٹ ٹھیکیدار اور زمیندار ہونے کے باوجود ان میں غرور کا شائبہ تک نہ تھا وہ ہر شخص چاہے غریب ہو یا امیر عالم ہو یا جاہل سب سے یکساں طور پر ملتے تھے اور جب بھی کوئی ان کے پاس آتا تو وہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے۔ ان کے ذوق وشوق اور جذب ومستی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے پیرومرشد کی تعلیم روحانی اور توحید پرستی میں اس قدر مستغرق رہے کہ ایک بار ان سے متعلق ایک اہم واقعہ جو کہ محمد چھوٹے خان عرف بے چین صاحب جو کہ ہمارے پیرومرشد کی خدمت میں تقریباً ۲۵ سال تک رہے ان کے قلم سے لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے وہ میں پیش خدمت کر رہا ہوں۔

یہ واقعہ ان دنوں کا ہے جس زمانے میں سجاد بھائی کا کاروبار انتہائی عروج پر تھا اور ان کے ٹھیکیداری کے سلسلے میں متحدہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں ان کے دفاتر قائم تھے کلکتہ کے خضر پور ایریا کے قلی بازار میں ان کا ہیڈ کوارٹر تھا ایک دن وہ اپنے دفتر میں انتہائی ذوق شوق اور کیف ومستی کے عالم میں تشریف فرما تھے اور ان کے چہرے سے آنکھوں سے عجیب وغریب نورانی اور پرکشش شعاعیں نکل رہی تھیں اور دیکھنے والے پراثر انداز ہو رہی تھیں۔

پاکستان بننے کے بعد چونکہ سجاد بھائی بھی کراچی آگئے اور میں بھی پہلے ڈھاکہ اور پھر کراچی آگیا یہاں آنے کے بعد سجاد بھائی سے ان کی حیات تک رابطہ

قائم رہا اور جب وہ فیصل آباد میں اسپنسرز کمپنی کے کولڈ اسٹوریج کے مینیجر تھے۔ ان دنوں ان کی اور میری اکثر و بیشتر خط و کتابت ہوتی رہی وہ خطوط میرے پاس بھی محفوظ ہیں مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جس وقت جناح ہسپتال میں ان کی آنکھوں کا آپریشن ہوا میں بھی اس وقت ان کے پاس موجود تھا وہ اسپنسرز کمپنی فیصل آباد سے ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل نیو کراچی میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ اور وہاں میرا آنا جانا ان کی حیات تک جاری رہا اور وہ دن بھی آ گیا جس دن یہ عظیم و برگزیدہ ہستی اس دار فانی سے کوچ کر کے اپنے مالک حقیقی سے جا ملی ان کے جنازے میں بھی مجھے شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

حاجی سید عبدالماجد صاحب خلف اکبر جناب سجاد بھائی کو بھی میں نے ان کے والد بزرگوار کی طرح نہایت خاکسار بزرگوں کا احترام منکسر المزاج پایا حقیقت میں وہ اپنے والد بزرگوار کی جیتی جاگتی تصویر تھے

الولدسِرُّ ابیہ۔ (یعنی بیٹا باپ کا ہمراز ہوتا ہے)۔

ماجد بھائی مرحوم مجھ سے بے انتہا لگاؤ رکھتے تھے اور ہمیشہ وہ میرے پرسان حال بھی رہتے تھے اور ان کو بھی میں نے دین سے محبت اور دین کی تبلیغ اور ترویج کرنے والی شخصیت پائی اور خصوصاً سلسلہ طریقت کی ترقی اور اس کو فروغ دینے والا محسوس کیا لہٰذا میں نے اس امر کو ضروری سمجھا کہ حاجی سید عبدالماجد کو کیوں نہ اپنے سلسلہ افتخاریہ کی خلافت بھی دی جائے تا کہ وہ سلسلہ طریقیت کو اور بہتر طریقے سے

آگے بڑھا سکیں لہٰذا میں نے ان کو خلافت بیعت کروادینا ضروری سمجھا اور میں نے ان کو چہار خاندان طریقت کی خلافت دے دی حالانکہ میں اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتا ہوں کہ میں سید عبدالماجد صاحب جیسی برگزیدہ ہستی کو خلافت دوں لیکن میری یہ پیشکش ان کے جذبہ شوق کو دیکھتے ہوئے ہوئی اور میری خوش قسمتی ہے کہ ماجد صاحب نے میری یہ پیشکش قبول کرلی۔

فقط والسلام دُعاگو،

خاکپائے درویشاں مسکین محمد محمود الحق صدیقی

محمود الحق افتخاری (محمد محمود الحق صدیقی افتخاری)

سجادہ وجانشین بسلسلہ افتخاریہ

مؤرخہ ۲۴ اپریل ۱۹۹۳ء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالم ہمہ سودا زدہ رُوئے محمدؐ
زنجیرِ دل از خلقۂ گیسوئے محمدؐ
زاہد بہ تو فردوس بریں باد مبارک
مائیم تمنّائے سرِ کوئے محمدؐ

سلسلۂ اشاعت بزم صوفیہ افتخاریہ الہ آباد نمبر ۱۱
باہتمام سید سجاد حسین شاہ پوری
اسٹار الیکٹرک پریس الہ آباد میں چھپا

زائرِ حرم

بسفر رفتنت مُبارک باد

لگے ہونے سَاحل سے رخصت سفینے　　سُنا آج جاتے ہیں مَاجِدؔ مدینے
محمدؐ کی اُلفت میں یہ ہوش کب ہے　　جو دیوانہ بیٹھے گریبان کو سینے
نسیم بَہاراں کچھ اِس طرح آئی　　کہ لی ایک کروٹ نئی زندگی نے
یہ اُوج مقدّر یہ بخت رسَا ہے　　وہاں جو بُلایا ہے تمکو نبیؐ نے
سفر یہ مقدّس تمھیں راس آئے　　زُباں سے یہ نکلا سُنا جب کِسی نے
پئے حج مسافر جو نکلا وطن سے　　توکل نور صدقے کیا چاندنی نے
دل آویز جالی، غلاف حرم بھی　　جو موقع ملے تو لگا لینا سینے
دیار نبیؐ کا تصّور جب آیا　　ندامت سے عصیاں کے آئے پسینے
تھی حسرت دیار نبیؐ دیکھ لیتے　　مگر روک رکھا مجھے بے بسی نے

رسولِ خُدا کی غُلامی مُبارک
بوقت جُدائی کہا قاسمؔی نے

فرید احمد قاسمؔی، محمود منزل شاہ پور ضلع فتحپور ۱۹۵۰ء

قطعہ وفات

حاجی سید سجاد حسین

جنت کے ہیں مستحق برب کونین
مرحوم تھے شیداء شہ بدر وحنین

ہر شخص کی خدمت پہ کمر بستہ رہے
فریادرس وغیور سجاد حسین

آخر کار سید سجاد
قید ہستی سے ہو گئے آزاد

پیکر خلق وجامع اوصاف
نکتہ دان ہدایت وارشاد

خادم وقوم وعاشق اسلام
ان کی خدمات جابجا مشہور

پانچویں جنوری کا دن تو رئیس
سال غم کہ جنازہ مغفور

جنت کے ہیں مستحق برب کونین
مرحوم تھے شیداء شہ بدر وحنین

رئیس امروہوی

مطبوعہ روزنامہ جنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

توضیحات

سادات شاہ اوپر، شیخ پور (پاپلی) کا شجرہ نسب جناب میرے چچا مولوی سید عبدالقادر وکیل ہائی کورٹ گورنمنٹ نظام نے ۱۹۲۲ء میں مرتب کر کے شائع کیا۔ دوسری بار ۱۹۳۶ء میں سید شریف کرگل محمد نے ضروری اضافوں کے ساتھ اس کو چھپایا۔ اور اب زیر نظر ایڈیشن کی اشاعت برادر عزیز حاجی سید سجاد حسین کی حسن توجہ سے زیادہ سے زیادہ مکمل صورت میں ہو رہی ہے۔

مولوی عبدالقادر صاحب نے اس شجرہ کو چھپوا کر ایک مستحسن کام کیا تاہم اس سے پیشتر بھی مختلف گھرانوں میں قلمی شجرے موجود تھے۔ مولانا محمد شجاع کی تصنیف منہاج الارشاد میں ضمنی طور پر شاہ اوپر کا شجرہ نسب بھی درج تھا۔ متاخرین میں سید حاتم علی مرحوم نے ایک جامع کتاب شجرۃ الانساب کے نام سے لکھی تھی اس میں بھی سادات شاہ اوپر کے سلسلے وضاحت سے بتائے گئے تھے۔ باعث شکر ہوگی اگر اس جگہ حضرت شاہ اوپری کی سب اہل سادات کی خدمات و کاوش کا ذکر کیا جائے۔ موصوف نے جو شجرہ شاہ اوپر کے متعلق ہم پہنچایا وہ ہر طرح قابل ستائش ہے۔

عزیزی حاجی سید سجاد حسین کو شجرہ شاہ اوپر کی تصحیح و تکمیل میں شروع سے غیر معمولی شغف رہا ہے۔ اس سلسلے میں وہ بذات خاص اوچ شریف گئے اور شاہ اوپر کے شجرہ کا مقابلہ وہاں کے نسب ناموں سے کیا۔ شاہ اوپر کے مورث اعلیٰ حضرت سید نوشہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ اوچ سے تشریف لائے تھے۔ اس طرح نسبی روایات کی جانچ پڑتال جو وہاں سے ہو سکتی تھی وہ کہیں اور سے ممکن نہ تھی۔ اس جانچ پڑتال میں ایک جگہ کے سوا کہ شجرہ شاہ اوپر میں سید عبداللہ اور سید جعفر ثالث کے درمیان دو نام سید محمد اور سید احمد کے چھوٹ گئے تھے ان کی بجائے اوچ والے شجرے میں تین نام پائے گئے سید احمد، سید محمود اور سید محمد اور کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ اوچ کے اندراجات بہر صورت صحیح تھے۔ یہی ترتیب من وعن میرے گھر والے نسب نامے میں بھی جو ایک بخاری بزرگ شاہ حیدر علی صاحب کا مصدقہ ہے جو اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اور اس کو اصغر صاحب نے اپنی کتاب میں تمام و کمال نقل کیا ہے۔ امام علی نقی ابن جعفر ابن علی اصغر ابن عبداللہ ابن محمد ابن محمود ابن احمد ابن جعفر ثالث الخ۔

حضرت سید محمد معروف کا مولد و منشا اوچ تھا جو ایک مشہور مقام ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ سندھ کا ایک حصہ تھا۔ اور محمد بن قاسم کی فتوحات (۷۱۲ء) سے پیشتر بھی یہ حکومت سندھ کا صدر مقام تھا۔ اس کے بعد میں اس پر غزنوی اور دیگر مقامی خاندانوں کی حکمرانی رہی۔ ۱۵۰۰ء میں شاہان جنید کے تحت رہی [illegible] ایک پرگنہ قرار پایا۔ ابھی کچھ دنوں پہلے یہ ریاست بہاولپور کا ایک حصہ تھا۔ اور اب صوبوں کے انضمام کے بعد مغربی پاکستان کا ایک جزو ہے۔ اس کی تین آبادیاں علیحدہ علیحدہ قائم ہیں۔

۱۔ اوچ گیلانی حضرت میراں پیر غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی جائے رہائش ہے۔
مشہور ہے۔ گو ۳۰۰ھ میں حضرت سید صفی الدین گازرونی علیہ الرحمۃ نے اس کو آباد کیا۔

لہ اوچ میں حضرت سید [illegible]

۔ اُچ بخاری — ساداتِ بخاری کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے اُن کے ساتھ منسوب ہے۔

۔ اُچ مغلاں — سلاطین مغلیہ کے گورنر کا مستقر حکومت تھا۔ اس کو اُچ جلالی بھی کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ یہاں حضرت شیخ جلال الدین درویش قلندری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ جو صرف حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے استاد تھے

اُچ کا فاصلہ تقریباً نواب صاحب ریاست بہاولپور سے چالیس میل شمال مغرب اور [illegible] میل جانب شمال ہے۔ زمانہ قدیم میں اس کی حیثیت ایک بارونق شہر کی سی تھی اور سیاحوں اور مؤرخوں نے اس مقام کی زرخیزی اور سرسبزی کی تعریف کی ہے۔ اور اس کو ملک کے قدیم ترین شہروں میں شمار کیا گیا ہے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن جس چیز نے اُچ کو چار چاند لگائے وہ اُن نفوسِ قدسی کی برکت تھی جن کے سبب اُچ کو "اُچ شریف" اور وہاں کے ذرے ذرے کو روحانیت کی تابش سے رشکِ مہر و ماہ بنایا۔ جو مقدس و محترم ہستیاں اس سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں، اُن کی تعداد دو ہزار تک بیان کی گئی ہے۔ اور اس فہرست کے سرنامے کی زینت شمس العارفین حضرت سید جلال الدین سرخ پوش اعظم بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی سے ہے۔ آپ سرزمین بخارا سے ۶۳۵ھ کو بہ ہمراہ [illegible] بخارا سے تشریف لائے۔ سلطان شمس الدین التمش کے پوتے سلطان علاؤالدین مسعود کے عہدِ سلطنت میں (۶۳۹ھ تا ۶۴۴ھ / ۱۲۴۲ء تا ۱۲۴۶ء) آپ نے ملتان میں نزولِ اجلال فرمایا اور حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کی صحبت میں زیرِ تربیت رہے۔ بعد شیخ الشیوخ حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر فیوضِ باطنی حاصل کیے۔ اور پھر خرقۂ خلافت لے کر ۶۵۸ھ میں اُچ وارد ہوئے۔ آپ کی وفات ۱۹ جمادی الاوّل ۶۹۰ھ کو واقع ہوئی۔ اس وقت عمر شریف ۹۵ سال ۵ ماہ ۱۹ یوم کی تھی۔ مزار مبارک اُچ میں بستی جلال کی جگہ ہے۔ اس سے متصل ایک خانقاہ اور ایک وسیع مسجد ہے۔ خانقاہ پر یہ تاریخ کندہ ہے:

یا رب برسالتِ رسول الثقلین — یا رب بہ غزا کنندۂ بدر و حنین

عصیانِ مرا دو حصہ کن در عرصات — نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین

آپ کا عقد سید بدرالدین بکھری کی صاحبزادی بی بی زہرہ اور سیدہ فاطمہ سے یکے بعد دیگرے ہوا۔ بی بی زہرہ سے آپ کے صاحبزادے سید محمد غوث اور سیدہ فاطمہ سے سید احمد کبیر پیدا ہوئے۔ شاہ پور میں قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ بچوں کے عقیقے میں چاول کا حصہ جس میں گھی اور دوسری چیزیں ہوا کرتی ہیں پکا کر اس پر سید احمد کبیر صاحب کا فاتحہ کیا جاتا ہے اور برادری میں تقسیم ہوتا ہے۔

حضرت سید محمد معروف شاہ پور کے جدِ اعلیٰ اسی عظیم المرتبت خانوادے کے ایک فرد تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش اعظم تک پہنچتا ہے۔ اُچ سے آپ ہندوستان وارد ہوئے۔ اکبر اعظم نے آپ کے قدوم کو سر آنکھوں پر لیا۔ اور مدد معاش کے نام سے اراضیات پیش کیں۔ اسی کو آباد کر کے شاہ پور کی خشتِ اوّلین رکھنا چاہتے تھے۔ یہ زمین آپ کو ایک فرمان کے

۱۔ حضرت سید جلال بخاری کی اولاد کے متعلق تحفۃ الکرام [illegible] میں یہ تفصیل دی ہے۔

سید جلال بخاری ... سید احمد کبیر ... حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ... سید جلال بخاری۔ ...

مزید تفتیش کی گئی تھی۔ اس وقت اس فرمان کا پتہ نہیں چل سکا۔ لیکن اس کا حوالہ محمد شاہ روشن اختر کے ایک فرمان تاریخی ۲۹ شہر رمضان ۱۱۳۴ھ جلوس میں دیا گیا ہے۔ جس کے رُو سے اس اراضی کا حق ملکیت بموجب فرمان عالی شان بادشاہ غفران پناہ رضوان درگاہ خلد مکان حضرت اکبر شاہ، مرقومہ ۹ صفر ۱۰۰۵ھ سید معروف صاحب کو عطا ہوا تھا۔ بعد ازاں بہ وراثت مسماۃ عاقلہ وغیرہ کو منتقل کیا گیا تھا۔ یہ آخری فرمان میرے پاس موجود ہے۔

میاں سید محمد معروف صاحب قصبہ ایرایاں میں جو شاہ پور سے بجانب مشرق ۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے قیام پذیر رہے اور جو اراضی آپ کو ملی تھی اس کو آباد کر کے اس کا نام معروف پور رکھا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا پہلا عقد حضرت بندگی شاہ نظام جو ان دنوں ضلع لکھنؤ میں سکونت رکھتے تھے ان کی صاحبزادی سے ہوا۔ لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت بندگی میاں کا سلسلۂ نسب حضرت سید جلال الدین بخاری تک پہنچتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ میاں سید معروف حضرت بندگی میاں کے بھانجے تھے۔ سید معروف صاحب کا دوسرا عقد سید قطب کی[1] بیٹی سے ایرایاں کے خاندان میں ہوا۔ آپ کے اکلوتے صاحبزادے سید نصر اللہ انہیں دوسری بیوی کے بطن سے تھے۔ معروف میاں اور نصر اللہ میاں دونوں کا قیام ایرایاں میں رہا۔ لیکن ان کے بعد صاحبزادگان عبداللہ میاں اور فتح اللہ میاں کے زمانے سے ان کی ساری اولاد کا مسکن دامادی شاہ پور ہو گیا تھا۔ ۱۲۸۵ھ ایک شاخ غلام محمد شاہ، محمد حسین پسران عبدالغنی بن غلام عشرت بن سید عبدالعزیز بہاری میاں کے جو ایرایاں میں رہ گئی تھی۔

میاں سید معروف کا مزار ایرایاں سادات میں شاہ پور سے جاتے ہوئے شروع آبادی میں فقیروں کے گھروں کے بالمقابل راستے کے بائیں سمت پڑتا ہے۔ آپ کے پہلو میں نصر اللہ میاں مدفون ہیں۔ یہ دونوں مزار ایک خام چبوترے کی شکل میں ہیں۔

عبداللہ میاں شاہ پور کی آبادی کے اندر دفن ہوئے، اور فتح اللہ میاں آبادی سے باہر بجانب مغرب سوناروں اور بنیوں کے مکانات کے بالمقابل املی کے ایک سایہ دار کُنج میں آسودۂ خاک ہیں۔

میاں سید معروف صاحب کی ہستی نہایت ارفع و اکمل ہستی تھی۔ ایک صاحب دل درویش ہونے کے ساتھ وہ اپنے اوصاف میں منفرد اور فضائل و کمالات میں یکتا تھے۔ شرافت، بندگی اور تقویٰ و دیانت انہیں اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی تھی۔ اور حضرت سید جلال مخدوم الاعظم احمد کبیرؒ، ماہ جو قتالؒ ایسے روشن ضمیر پیران طریقت کے آپ سچے جانشین اور ان بزرگوں کے محاسن ظاہری و باطنی کے وارث یاب تھے۔ اولاد کی طرف سے بھی آپ کچھ کم خوش نصیب نہیں تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے صاحبزادے سید نصر اللہ اور ان کی اولاد میں عبداللہ میاں، فتح اللہ میاں اور بالخصوص حضرت شیخ نجیب اور آپ کے پوتے سید حبیب اللہ واسطہ وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ علم و عمل کی دولت تھی کہ پشت در پشت ان بزرگوں نے فقیری میں بادشاہی کی۔

اوپر ذکر آیا ہے کہ اکبر نے سید معروف میاں کو اراضی عطا کی۔ ایک دوسری سند سے پتا اور چلتا ہے کہ آپ کو ۹۰ بیگھہ زمین عہد جہانگیری میں بھی مرحمت ہوئی تھی۔ پیشکش کا یہ سلسلہ آپ کی اولاد میں بھی جاری رہا۔ اور حکمرانوں کی وفات پر ان کے جانشینوں کے نام منتقلیاں ہوتی رہیں۔ موجودہ دستاویزی ثبوت کے ساتھ ان کی ایک لمبی فہرست اب بھی تیار ہو سکتی ہے۔ ان میں سے چند کا حوالہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

---

[1] سید قطب کے متعلق اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کا خاندان ایرایاں شاہ تیغ میں آباد تھا۔

حضرت شیخ طیب	۵۰ بیگھہ در موضع شاہ پور مہرولی پرگنہ جگلام سے اور بیس بیگھہ موضع مراد پور [illegible] سے	فرمان بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر ۵ ذی شوال [illegible]ھ
مسماۃ [illegible]	۱۰۰ بیگھہ	فرمان بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب [illegible] رجب [illegible] جلوس
مسماۃ نعمت وغیرہ	۵۰ بیگھہ	ایضاً (تاریخ صاف نہیں ہے)
شیخ اسد	۳۰ بیگھہ ۵ بسوہ	فرمان محمد شاہی ۲ صفر [illegible] جلوس
بی بی شہزادی و [illegible] مولوی محمد شجاع	۹۰ بیگھہ	فرمان نواب برہان الملک صفدر جنگ [illegible] ربیع الثانی [illegible] جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی
شیخ غلام مصطفیٰ وغیرہ	۱۰۰ بیگھہ	فرمان [illegible] محمد شاہی [illegible]

معافیات مدد معاش کے علاوہ کچھ زمین [illegible] محمد شجاع [illegible] حضرات [illegible] کے نام سے دی گئی تھی۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] وغیرہ	[illegible] پرگنہ جگلام	پروانہ [illegible] رجب [illegible] جلوس ([illegible])
مولوی محمد شجاع	[illegible] پرگنہ جگلام ([illegible])	فرمان [illegible] ربیع الاول [illegible]ھ
مسماۃ [illegible] وغیرہ	[illegible] پرگنہ [illegible] ([illegible])	فرمان [illegible] محمد شاہی [illegible] شعبان [illegible] جلوس
[illegible] [illegible] سے متعلق تھیں)	[illegible] پرگنہ [illegible]	پروانہ [illegible] جہاندار [illegible] شاہ [illegible] ربیع الاول [illegible] جلوس ([illegible])

دربار شاہی کے اعتبار کی ایک [illegible] یہ بھی تھی کہ [illegible] حضرات کو ان کے علم و فضل کے اعتبار سے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] تھے۔ چنانچہ شیخ [illegible] شیخ [illegible] حضرت شیخ طیب کے [illegible] پرگنہ جگلام کے منصب [illegible] پر فائز تھے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شیخ طیب [illegible] پرگنہ جگلام کے [illegible] مولوی محمد شجاع [illegible]

اپنے زمانے میں اسی خدمت و تولیت پر متعین ہے۔ (فرمان شاہ عالم ۲ جمادی الاول سنہ جلوس) ۱۲۳۳ھ کے ایک فرمان کے مطابق جس کو حاتم علی مرحوم نے اپنی کتاب شجرۃ الانساب میں نقل کیا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ سید محمد شجاع کا تقرر پرگنہ کولکہ میں بھی ہوا تھا کہ

در فصل قضایا و خصومت و اجرائے حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ ... و حفظ اموال غیبت و ایتام ....

مسائل مزبورہ بہ تحقیق رسانند ... (مہر محمد قاضی ... ربیع الاول سنہ جلوس)

اور ان کے صاحبزادے مولوی مظفر علی کو پرگنہ سرسوہ کی قضا تہ داری (آج کل کی سب ڈسٹرکٹ بجنور) پر سرفراز ہوئی تھی۔ اور وہیں سے ۳۰ بیگھہ زمین بھی بوجہ مدد معاش (نہیں ملی ہوئی تھی)۔ (فرمان شاہ عالم ۱۷ رمضان المبارک ۱۲۲۲ھ دہم محرم ۱۲۲۳ھ)

رسالدار فرزند علی (ایوان) کے کاغذات سے جناب حافظ عبد القادر مرحوم اختر شاہ پوری نے اپنی کتاب میں ایک تحریر نقل کی ہے جو یہ ہے۔

* سید ابو سعید کے آباؤ اجداد دہلی رہتے تھے۔ عہد شاہ عالمگیر اورنگ زیب بعہدہ قاضی القضاۃ ناظم دہلی میں مقرر رہے۔ اور وہیں زیر دیوار جامع مسجد آپ کا مزار ہے۔ اور برادر سید ابو الفتاح عرف فتح اللہ شاہ کے آباؤ اجداد دہلی رہتے تھے۔ استاد بادشاہ کے رہے ہیں۔ جن کا نام معلوم نہیں اور اسی منصب کے باعث معافیاں ملی تھیں۔ اور نیز برادر ابو الفتاح کو پیش دستی وزیر اعظم کی بھی ملی تھی۔ اور منصب قضا بہت دور تک رہا۔ آپ کے آباؤ اجداد میں رہا۔

رسالدار فرزند علی عبدالعزیز کی بیان کی ایوان والی شاخ میں گنے جاتے ہیں اور ان کے آباؤ اجداد حضرت سید سرمست ہی کی اولاد تھی۔ سید ابو سعید کا نام معلوم ہے لیکن ممکن ہے کہ فتح اللہ میاں کی حیثیت ابو الفتاح کی ہو۔

ان بزرگوں کی عظمت و منزلت کا انکشاف ان القاب و آداب سے بھی ہوتا ہے۔ جو فرامین سلاطین میں ان کے لئے استعمال ہوئے ہیں مثلاً فضیلت مآب، تقویٰ شعار، صلاح آثار، شیخ طیب فضیلت و فضیلت پناہ، شیخ ہدایت اللہ، شیخ فتح اللہ فضیلت و فضیلت مآب، شیخ جعفر فضیلت و فضیلت پناہ، شیخ عبد الباسط، فضیلت پناہ، (نیز فضائل پناہ، فضائل و کمالات مرتبت، مولوی محمد شجاع سیادت و نجابت پناہ، میر مظفر علی۔

خاندان اول کی طرح خاندان ... بھی ابتدا ہی سے شہرت و ناموری کا مالک ہے۔ متوسلین میں نمایاں شخصیت کرنل محمد اعظم کی ہے۔ وہ سپاہی پیدا ہوئے اور شجاعت و بہادری کی ایک طویل داستان اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر اندور کے ایک اعلیٰ فوجی افسر کی حیثیت سے ۱۸۰۵ء میں انگریزوں کے جنرل لارڈ لیک کے مقابلے میں شہرت کا سنگ بنیاد قائم کیا پھر دہلی میں بیگم سمرو کے یہاں ملازم رہے۔ یہاں سے نواب جھجر اپنے ساتھ لے گئے۔ اور آخر دم تک سپہ سالاری اُن کے لئے طرۂ امتیاز بنی۔ ریاست جھجر میں آپ متعدد مواضعات کے مالک تھے۔ اور آپ کی وجہ سے شاہ پور والوں کے لئے جھجر دوسرا شاہ پور ہو گیا تھا۔ آپ کے بیٹے کرنل ولی محمد اور پوتے کرنل عبد اللطیف اور میر عبد الاحد یکے بعد دیگرے ممتاز عہدوں پر فائز ہوئے۔ یہاں دفعدار ... غالب علی اور ثابت علی تحصیلدار، ... جمعدار، منشی شوکت علی صوبیدار، ... علی پسر ... علی نواب جھجر کے ایڈیکانگ تھے۔ ان کے علاوہ بستی اور قرب و جوار کے لوگ ان گنت تعداد میں جا جا کر ریاست میں ملازم ہوئے۔ اور یہ صورت غدر ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے تک قائم رہی۔

مولوی محمد شجاع، مصنف منہاج الرشاد، میر مظفر علی، مولوی حاتم علی، منشی شوکت علی اپنے علم و فضل کے لحاظ سے ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ منشی شوکت علی فارسی ادبیات کے ماہر اور جھجر کے قیام کی وجہ سے غالب اور عارف وغیرہ سے خصوصی تعلقات رکھتے تھے

انگریزی فرنچ ... مشہور فرانسیسی نژاد ڈاکٹر ... فارسی میں ان کا مشق گرو تھا۔ اس کے دیوان کا فارسی دیباچہ منشی شوکت علی کا تحریر کردہ ہے۔ یہ تمام حضرات اہلِ سیف اہلِ قلم اور صاحب تدبیر لوگ تھے۔ ان کی شاندار زندگی میں خدمتِ خلق کا پہلو بھی نظر انداز ہونے نہیں پایا۔

دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی بساط الٹ رہی تھی جس کے نتیجے کے طور پر سلطنت مغلیہ کا انتشار اور برطانوی تسلط ظہور میں آیا۔ یہ ایک ہیجانی وقت تھا۔ لیکن بزرگانِ شاہ پور یہ سمجھ گئے تھے کہ اجتہاد و تشریح کے دائرے سے عمل کر انہیں زمانے کے ساتھ چلنا ہے۔ اور یہ زمانے کے ساتھ چلے۔ کل حالات کی صورتیں اختیار کی گئیں۔ تعلیم کی اہمیت کا احساس رہا اخلاق و تہذیب کی حفاظت کی گئی۔ اس کا خوشگوار اثر یہ تھا کہ ترقی اور معاشرتی شیرازہ بندی قائم رہی۔ قدامت پسند تھے لیکن قدیم اخلاق و تہذیب کے بہترین نمونہ ان میں روشن خیالی اور وسیع النظری کی کمی نہ تھی۔ اس زمانے میں کہ انگریزی سے طبائع متنفر تھیں۔ شاہ پور بلکہ صوبہ بھر میں اگر کوئی جدید تعلیم سے بہرہ ور تھا تو وہ شاہ پور کا ایک فرد تھا (مولوی عبد ... وہ ضلع کے مرتب اولین)۔ اس صدی میں آپ کو ہر صنف کے رنگ نظر آئیں گے۔ ان میں نامور زمیندار بھی تھے۔ ترقی پسند کاشتکار بھی۔ وکیل بھی تھے۔ پروفیسر القرآن بھی، علوم مستشرقی کے فاضل و دینیات کے ماہر بھی تھے۔ انشاء پرداز بھی تھے اور شعر و شاعری کا صحیح مذاق رکھنے والے بھی۔ خطاطی ایک مستقل فن ہے اور آرٹ کے اس اہم بابت ان شعبے میں بھی شاہ پور میں اچھے اچھے خوشنویسوں کی کمی نہ تھی۔

اس چھوٹی سی بستی کی خصوصیات دورِ حاضر میں بھی قائم رہیں۔ زمانے کی فضا بدلی۔ مذہبیت نے خشک ... کی جگہ پائی۔ حیاتِ انسانی کے اصول اور اس کا معیار نئے سرے سے قائم ہوا۔ ان تمام تغیرات کے ساتھ شاہ پور والوں نے مسابقت کی۔ بیسویں صدی کے جدید ترین رجحانات کے تحت علوم مغربی کی اہمیت نظر انداز نہیں ہونے پائی۔ ... [illegible] ... کی خیر تعداد گنائی جا سکتی ہے۔ ایسی لڑکیاں بھی ہیں جنہوں نے اعلیٰ تعلیمی مراحل بہت کامیابی سے طے کئے۔ اس کے سب تو طرح فارسی اور اردو کو بھی فراموش نہیں کیا گیا کہ مذہب اور قومی کلچر پر عبور حاصل کرنے کا یہ واحد ذریعہ تھا۔ دینی جذبہ بھی اپنی جگہ کارفرما رہا ہے۔ پیری مریدی کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالسلام صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کہ اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے اور چشمۂ فیض تھے۔ اس زمانے میں لوگوں کو مختلف بزرگوں سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ سید عبدالجلیل صاحب شاہ پوری انگریزی کے تعلیم یافتہ علیگڑھ کے اولڈ بوائے اور سرکاری ملازمت میں نائب تحصیلدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نوازشوں سے سرفراز کر کے اپنا بنا لیا۔ وہ پیر مولانا شاہ محمد حسن (شیخ الاسلام گڑھ) کے خلیفہ تھے۔ حاجی مولوی سید نعمت اللہ صاحب اپنے علم و فضل اور روحانی تفوق کی بنا پر بزرگوں کی روایات کے علمبردار اور موجودہ نسل کیلئے شمعِ ہدایت تھے۔ آپ کی تاریخ وصال ۸ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ (مطابق ... ۱۹۶۲ء) ہے۔ اور مدفن ایک پر فضا باغ جہاں آپ کی سکونت تھی۔

تمدن و معاشرت کا نظام برقرار رکھنے کے لیے یہاں اصلاحی تحریکوں کا ایک سلسلہ جاری رہا ہے۔ یہ خصوصیت صرف شاہ پور کو حاصل ہے۔ کہ یہاں آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر اصلاحِ رسوم کا ایک شیرازہ تیار کیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں انجمن ترقی و اصلاح کی بنیاد ڈالی گئی۔ ۱۹۳۲ء میں گاؤں والوں نے اپنے اصول پر کاربند ہونے کی تلقین کی گئی۔ ۱۹۵۱ء میں شاہ پور کے ایک جوان سال فرزند محمد عادل ... کی انتھک کوششوں سے یہاں ایک ڈاک خانہ قائم ہوا۔ ... شاہ پور کی ایک اہم ... [illegible] ... کی مساعی مسلسل سے کئی لائبریریز ... چند سالوں سے کام چل رہی ہے۔

[illegible]

انفرادی اور شخصی حیثیت سے ایسے کئی نام آسکتے ہیں جو ملازمت سرکاری میں اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوئے اور خطابات و انعامات سے سرفراز کئے گئے۔ خان صاحب محمد عادل اور خان بہادر علی اصغر انڈین پولیس آنریری کے مستحق آئی پی سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے جو شاکر علی فوج میں عہدہ دار تھے۔ جنہوں نے خدمات کے صلے میں تمغہ جات وغیرہ حاصل کئے۔ فضل حسین نے دو دنگل میں ایک کامیاب پہلوان کی حیثیت سے ناموری حاصل کی۔ ان لوگوں کے بعد شاہ پور کی دلچسپیاں محمد حسین سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنہیں دولت دنیا سے مستغنی کیا تو اس سے انہوں نے ضرورت مندوں کو فائدہ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ یہ نامور سپاہی ہمیشہ خاموش کام کرنے والے ہیں۔ ایک معمولی انسان سے ترقیات بھی کیا یہ ممکن تھیں۔ سنٹرل انٹیلی جنس پولیس کی ملازمت میں بہ عہدہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی جگہ پر تقرر ہوا۔ فضل داد کی سے خطابات تمغہ جات کے علاوہ دو کتابوں کے ترجمہ کرنے کے صلے میں نقد انعامات حاصل ہوئے۔

بزرگان شاہ پور نے جو کام رفاہ عامہ کے سلسلہ میں انجام دئیے اُن کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان کاموں کے لئے شاہ پور کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر بھی ان بزرگوں نے یادگاریں چھوڑی ہیں: مثلاً دیہات شاہ پور میں سب سے پہلے مسجد کا ذکر آتا ہے جو شاہ پور کی تاریخ میں محمد اعظم کی یادگار ہے۔ اور کعبۃ المساجد اُس کی تاریخ ہے۔ کرنل محمد اعظم کے انتقال کے تین سال بعد اس کی تعمیر تکمیل کو پہنچی۔ اس کے اخراجات مرحوم کی بیوہ ان بیوی نے اپنے جیب خاص سے ادا کئے۔ عمارت نہایت سلیقے سے بنی ہے کہ شاید سو سال گزرنے پر بھی اس کی مضبوطی میں فرق نہیں آیا۔ سادگی کے ساتھ اس کی نفاست اور خوشنمائی قابل تعریف ہے۔ جو چیز خاص طور سے قابل توجہ ہے وہ تناسب ہے۔ کہ مینار، گنبد، محرابیں، فصیلیں وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے متناسب ہیں۔ گنجائش کے خیال سے حاجی [illegible] نے اپنے ذاتی خرچ سے ۱۹۳۶ء میں اس میں ایک دالان کا اضافہ کرا دیا ہے۔ جو اپنی کشادگی اور رنگینیت کے اعتبار سے نہایت آرام دہ اور دلکش ہے۔

مسجد کے جنوب میں فصیل کے نیچے مشرق سے مغرب کی طرف علی الاتصال کرنل محمد اعظم اُن کی زوجہ اول لطیف النساء بیگم بی بی اور فاطمہ بی بی رفیقہ ثانی کی قبریں ہیں۔ اس کے بعد کرنل عبداللطیف اور ان کی اہلیہ حشمت بی بی مدفون ہیں۔

اس مسجد پر ۱۹۴۷ء میں بجلی گری جس کے صدمہ سے والد مرحوم حضرت محمد اعظم (ثانی) کی وفات ہوئی۔ اس کا حال مولوی سید محمد یوسف مرحوم نے یادگار اعظم میں جس طرح لکھا ہے۔

> "یہ ایک عجیب واقعہ تھا۔ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ ہجری کو روزہ افطار کرنے کے بعد مرحوم (محمد اعظم صاحب) نماز مغرب ادا کرنے کے لئے مسجد میں گئے۔ اسی وقت ابر گرج شروع ہونے لگا جس وقت امام اور جماعت کے مقتدیوں نے جن میں مرحوم بھی شامل تھے نیت نماز کی باندھی تو دفعتاً گنبد مسجد پر بجلی گری اور اس کو توڑ کر جماعت پر آئی۔ ساری جماعت حالت نماز میں فرش مسجد پر بے ہوش گر پڑی۔ اور رفتہ رفتہ لوگوں کو ہوش آگیا۔ لیکن مرحوم اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے جنت کو سدھارے۔"

میرا عالم طفلی تھا لیکن اس حادثے کی جزئیات یاد ہیں۔ اس روز افطار سے پہلے نہایت سخت آندھی آئی تھی۔ بعد میں ابر گرج شروع ہوا۔ نماز میں مولوی قاسم علی (دیوان شاہ گنج) پیش امام تھے۔ مقتدیوں میں والد مرحوم، صاحب امین محمد، (ہیڈ [illegible]) اور [illegible] اس وقت واصل بحق ہوئے۔ یہ اتفاق دیکھئے کہ جس طرح یہ شہید اور بدبخش نماز پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے اسی طرح صحن قبرستان میں مدفون ہونے کے بعد بھی وہ ایک دوسرے کے آس پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اپنی رحمت و رأفت سے گلزار رکھے۔ بجلی سے مسجد کی عمارت کو بجز اس کے کوئی صدمہ نہیں پہنچا کہ شمالی گنبد کے کلس کی نوک

[illegible]

دو چار پائے ٹوٹ گئی تھی۔ اور قبر کے سامنے پھر سات پائے کا ایک گڑھا پانی کے نیچے ہو گیا تھا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جائے نماز کی جگہ بالکل درست تھی۔

اس بڑی مسجد کے علاوہ، ایک چھوٹی سی مسجد جیسے حاجی علی مرحوم کی نواسی بی بی اُن کے دروازے پر واقع ہے۔ ایک نماز مسجد بڑی مسجد کے قریب، عدالت بی بی کی تعمیر کردہ ہے۔ اس کے کچھ آثار اب تک باقی ہیں۔

کوئی محمد اعظم کا بنوایا ہوا ایک کنواں مسجد پر، اور ایک بڑی باغ میں ہے۔ گلیاں والے باغ میں جو کنواں ہے۔ وہ [illegible] ولی محمد کا بنوایا ہوا ہے۔ عبداللہ میاں نے اپنے نام سے آبادی سے باہر جانب جنوب ایک پورہ آباد کیا تھا۔ وہاں اُن کا ایک کنواں موجود ہے۔ اس کا [illegible] کنوئیں کے شکستہ ہے۔ بعض عقیدت مند اس کنوئیں کا پانی شادی بیاہ کے موقع پر نوشہ کے نہلانے میں کام آتا ہے۔ اسی کے قریب ایک مسجد بھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مرحوم [illegible] عیدگاہ اس جگہ تعمیر ہوئی ہے۔ یہ عیدگاہ [illegible] میں [illegible] آئی۔ اسی کے قریب پرانی عیدگاہ ہے۔ عبدالاحد کا آباد کردہ ایک پورہ مشرق جنوب کے راستے میں [illegible] کے نام سے آج تک باقی ہے۔ احمد علی [illegible] کا ایک کنواں اُن کے [illegible] میں ہے۔ دوسرا کنواں [illegible] تھا اب منہدم ہوگیا ہے۔ تحصیلدار [illegible] کا کنواں آبادی کے جنوب کی طرف ابھی موجود ہے۔ لیکن شکستگی کے آثار ظاہر ہیں۔ یہ [illegible] کا کنواں بھی چند دنوں کا مہمان نظر آتا ہے۔ فتح اللہ میاں کا ایک بڑا سا کنواں [illegible] عبدالاحد کے راستے پر تھا اب زیر زمین ہوگیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے کنوئیں ہیں اور پرانے ہیں۔ [illegible] کا کنواں بہت شاندار تھا لیکن اب شکستہ حالت میں چند دنوں کا مہمان ہے۔ باہر کے کنوؤں سے زیادہ تر آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے۔ آبپاشی کا کام [illegible] سے بھی بڑا کام نکلتا ہے۔ نصر اللہ میاں کا گڑھیا بجانب جنوب [illegible] کے پیچھے واقع ہے۔

چھوٹو میاں (فتح اللہ میاں) کی گڑھیا کے پڑنے وغیرہ اور عمارات کی تیاری میں بہت کام لیا جاتا ہے۔ [illegible] ایک بہت بڑا تالاب شاہ پور خاص اور [illegible] کی آبادی کے درمیان آبپاشی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی [illegible] ایک [illegible] یہ سارے تالاب عام مفاد کی چیزیں ہیں۔ بزرگوں کے [illegible] نے بہت [illegible] اور [illegible] شکستہ حالت میں ہیں۔ حضرت شیخ نجیب کا لگایا ہوا [illegible] کا ایک باغ بہت مشرق [illegible] کی گزری حالت میں ابھی باقی ہے۔ اس کا [illegible] نام [illegible] ہے۔ اس کی [illegible] کے اعتبار سے اس کو "بڑی باغ" کہا جاتا ہے۔ اسی باغ کے اندر [illegible] غلام محمد [illegible] اللہ کا پختہ مزار ہے۔ ایک [illegible] سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۲ ذی الحجہ [illegible] اسی [illegible] ایک [illegible] پختہ کنواں تھا جو اب پر ہو کر ختم ہوگیا ہے۔ حضرت شیخ نجیب صاحب کا مزار [illegible] تالاب کے [illegible] ہے۔ [illegible] مزار پر ایک پتھر لگا ہوا ہے۔ جو پڑھا نہیں جاتا۔ [illegible] کا پتھر تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ [illegible] خود بخود برآمد ہوا تھا۔ [illegible] کے قبرستان میں غلام سرور کا پختہ مزار اب حالت [illegible] میں ہے۔ [illegible] باغ میں بڑا پختہ [illegible] والا مزار قطب الدین [illegible] محمد اعظم کے والد بزرگوار کا ہے۔ [illegible] کے [illegible] ہیں۔ جو [illegible] پختہ قبریں ہیں یہ پرانے قبرستان کی یادگار ہیں۔ [illegible] قبرستان [illegible] آیا ہے۔ اسی پرانے قبرستان میں [illegible] کے [illegible] میں ایک نام [illegible] اور [illegible] میاں کہتے ہیں۔ اس پر [illegible] رشید [illegible] کی [illegible] پڑھتے ہیں۔ جس [illegible] کے عقیدے کے مطابق [illegible] ہے۔ [illegible] کے سلسلے میں ایک [illegible] مزار ہے۔ [illegible] کے جنوب میں جہاں اب [illegible] ہیں جو [illegible] کی [illegible] ہے۔ [illegible] میاں [illegible] کی نہیں ہے۔ بلکہ یہ [illegible] کے ایک فرد تھے۔ اس جگہ اُن کے [illegible] آم اور مہوے کے درخت [illegible] موجود ہیں۔

شجرہ کی سطور میں جو مرقع پیش کیا گیا ہے، اس کی تکمیل تاریخی روایات اور قدیم ماخذوں سے کی گئی ہے۔ اور جو باتیں اب تک افسانے کے طور پر زبان پر آتی تھیں وہ واقعات کی شکل میں آپ کے سامنے لائی گئی ہیں۔ تمام کلام پر اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ آخر آخر میں کمزوریاں بھی پیدا ہو رہی تھیں، قوتِ عمل اور جوشِ ایمانی کا فقدان، تنظیم سے بے ترتیبی، وقت کے تقاضوں سے بے خبری یہ تمام چیزیں تہذیب و تمدن اور حسن و سیرت کو کھوکھلا کرنے والی تھیں۔ اور اس کے نتیجہ کے طور پر اس جگہ سے انخلا عمل اور شروع ہو گیا تھا۔ یہ انقلاب کتنا ہی درد انگیز سہی لیکن اس پر اشکباری فضول ہے۔ سچ پوچھئے تو جہاں تک سادات کا تعلق ہے۔ شاہ پور کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ ترکِ وطن کرنے والے رخصت ہو گئے۔ اور وہ اب جہاں تہاں منتشر و پراگندہ ہیں۔ اس حالت میں اس شجرے کی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اگر انہیں اپنی زندگی میں کسی وقت اپنی نسبی تفصیل پر غور و فکر کی ضرورت پیش آ جائے تو یہ اوراق ان کی رہنمائی کر سکیں۔ اور وہ یہ امر مسلمہ ہے کہ اپنی حیاتِ مستعار کے نئے ماحول میں تحفظِ نسل کا احساس خاندان کے لئے کوئی اہمیت رکھ سکتا ہے۔ نہ اپنے خاندانی و نسبی تفرق کے برقرار اور محفوظ رکھنے میں وہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔

رضا صاحب، سید محمد فاروق شاہ پوری

یکم جنوری ۱۹۵۰ء

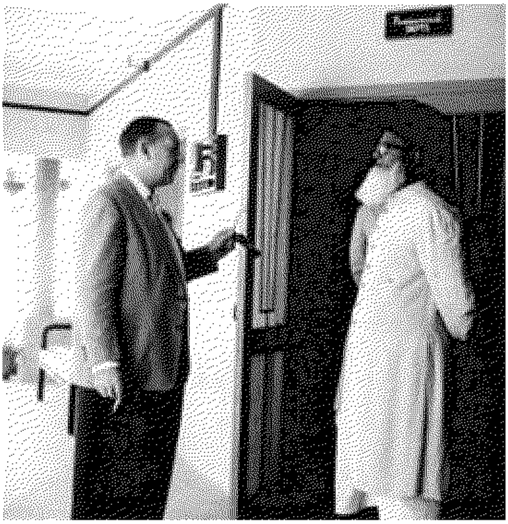

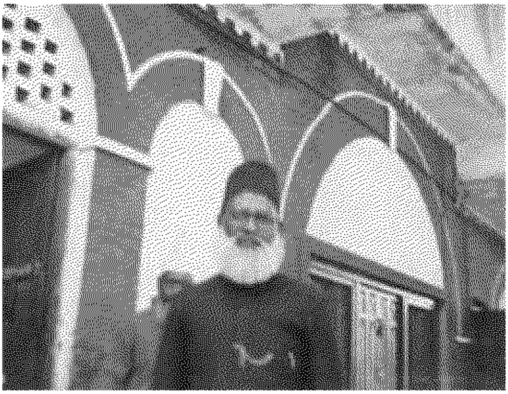

Spencer & Co. (Pakistan) Limited, Lyallpur

1964

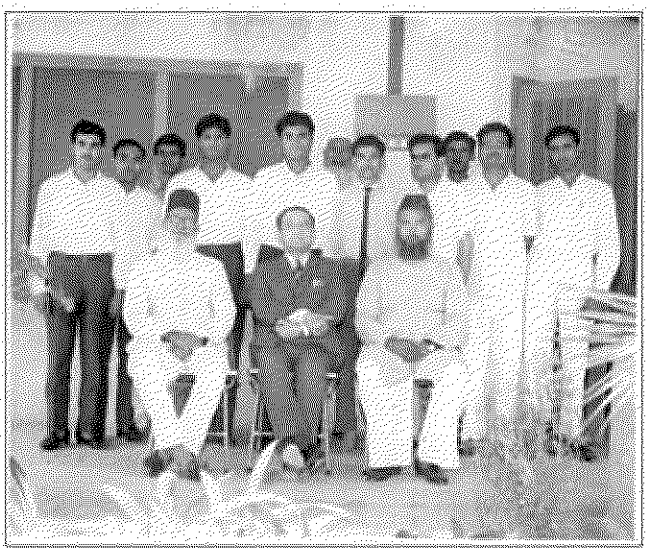

Sitting (L to R): Haji Syed Sajjad Husain, *Manager*; Syed Hashim Raza Esqr., *Sitara-e-Pakistan, Sitara-e-Quaid-e-Azam, 1st Commissioner of Karachi, Former Governor of E. Pakistan, Managing Director*; Haji Syed Abdul Majid, *Assistant Manager*

Standing(L to R): Amir Ahmad (2nd), Jalal Uddin (3rd), Syed Abdul Qadeer (4th), Syed Sajid Husain (5th), Syed Ziaul-Haq (6th), Riaz Umar (7th), Ahmad Ali (8th), Mohammad Jamil (9th), Syed Aziz Uddin (10th),

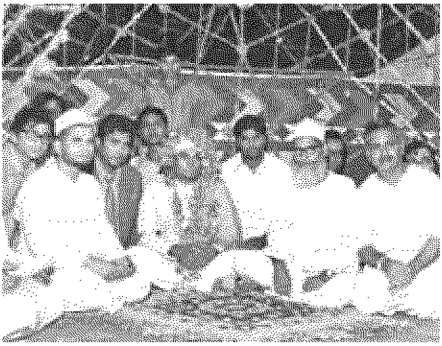

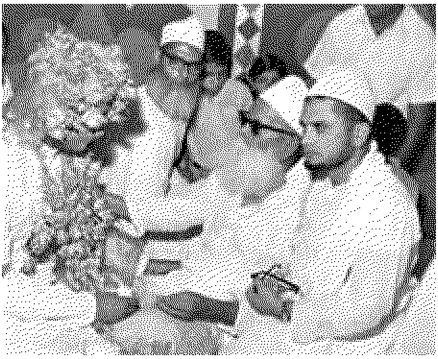

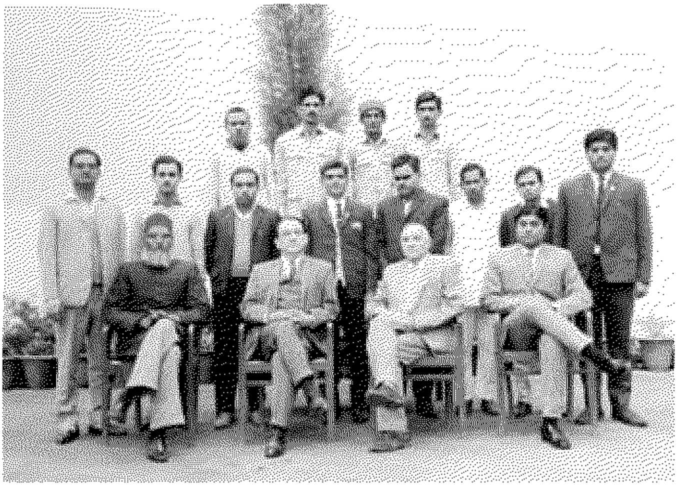

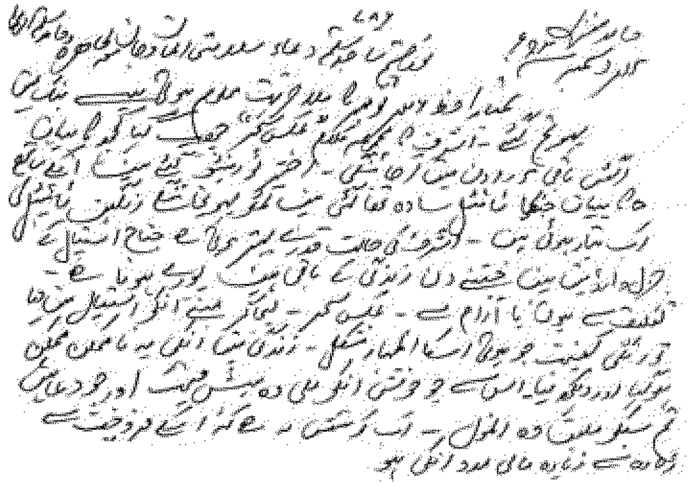

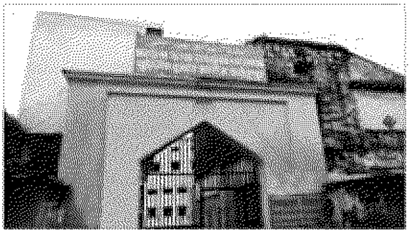

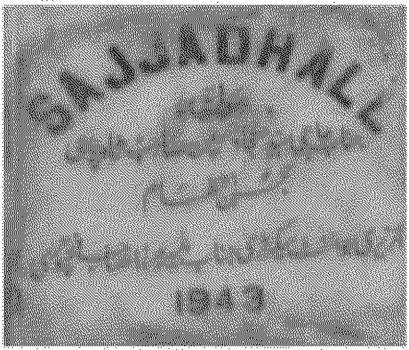
SAJJADHALL
1943

The FATEHPUR ELECTRIC LICENCE.

1946.

NOTICE.

It is hereby notified that an application has been submitted to the Government of the United Provinces by Messrs. Sajjad Husain and Sons, Engineers and Contractors, having their office at Fatehpur for the grant of a licence to supply electric energy within the Municipal and Civil limits of Fatehpur.

This application has been made under Part II of the Indian Electricity Act, 1910.

Any local authority, Company or person desirous of making any representation with reference to the said application, may do so by addressing to the Secretary to Government, United Provinces, Public Works Department, Lucknow, within three months of the date of issue of the News Paper containing the first advertisement of this application.

The copy of the map showing the proposed area of supply may be inspected at, and copy of the draft licence may be obtained on payment from the following places:—

(a) Office of the Fatehpur Electric Supply Co., Shahpur House, Fatehpur.

(b) Office of the Municipal Board, Fatehpur.

The draft licence is published hereunder for general information:—

Address of applicant :— M/s SAJJAD HUSAIN & SONS.
Engineers and Contractors,
Shahpur House, Fatehpur.

Signature of applicant :— S. SAJJAD HUSAIN,
For M/s Sajjad Husain & Sons,
Engineers & Contractors.

THE DRAFT LICENCE.

SHORT TITLE.

1. This may be cited as "The Fatehpur Electric Licence 1946."

INTERPRETATION.

"The several words, terms and expressions to which by the Indian Electricity Act, 1910, or by the rules thereunder, meanings are assigned, shall have in this licence, the same respective meanings provided that in this Licence,

(i) "The Act" shall mean "The Indian Electricity Act 1910".

بل نمبر 112

دی اسٹار الکٹرک پرنٹنگ ورکس

۴۲ شیوچرن لعل روڈ الٰہ آباد

بخدمت جناب [illegible]

روپیہ	آنہ	پائی	تفصیل	نمبر
2	8	·	طباعت پوسٹ کارڈ ۱۰۰	
			Paid	
2	6	·	میزان	

نوٹ۔ بموجب قاعدہ پریس [illegible] لازمی ہے۔

[illegible]

The Star Electric Printing Works,

Printers, Publishers, Lithographers & Book-Binders,

42, Sheo Charan Lal Road,

Allahabad.

Registered A.D.

To Syed Sajjad Husain Esq.

Rais,

V. & P.O. Shahzadpur

Dist: Fatehpur

Via Khaga

E. I. Ry.

[illegible]